ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

مُدیرِ مسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیر تحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۱) ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۲۰۲۴ء شمارہ (۴)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ و صدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط و کتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ ”تحقیقاتِ اسلامی“

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینہ

صریر خامہ		
نبی اکرمؐ اور آپ کا پیغام	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورہ نباء	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)
درس حدیث:		
دور حاضر اور علامات قیامت:	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۸)
مقالات ومضامین:		
نسل نو اور اصلاح معاشرہ	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۱۰)
سُنّت کی برکتیں (قسط:۱)	مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ	(۱۲)
مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سیّد سلیمان ندویؒ	(۱۶)
انبیاء کی بعثت انسانیت ...	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	(۱۹)
نفس کا ایک دھوکہ	مولانا مناظر احسن گیلانی	(۲۲)
طہارت ونظافت...	مفتی محمد عبداللہ قاسمی	(۲۳)
توہّم پرستی...	مفتی محمد راشد ڈَسکوی	(۲۷)
شکیل بن حنیف کا فتنہ	الیاس نعمانی	(۳۳)
اسلام کا تصورِ تفریح...	مولانا سفیان علی فاروقی	(۳۷)
بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت (قسط:۲)	ڈاکٹر ساجد خاکوانی	(۴۰)
فقہ وفتاویٰ	ادارہ	(۴۳)
افسانہ: ماں جی (قسط:۲)	قدرت اللہ شہاب	(۴۵)
طب وصحت		
مولی کے فوائد	ادارہ	(۴۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریرخامہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور آپ کا پیغام امن وسلامتی

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

ہادی عالم، محسن کائنات، فخر دو جہاں، رحمت مجسم، محمد عربی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ پہلے انسان ہیں جنھوں نے انسانوں کو انسانیت کا سبق سکھایا، جینے کا سلیقہ بتایا اور کمزوروں، غریبوں، عورتوں، یتیموں کے حقوق کے ساتھ، غلاموں، باندیوں، مزدوروں، ملازموں، یہاں تک کہ پرندوں اور جانوروں تک کے حقوق کو واضح طور پر بیان کیا اور عمل کر کے دکھایا بھی۔

جس دور میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تھے، اس وقت دین یہودیت بھی تھا، اور نصرانیت بھی، بتوں کو پوجنے والے بھی تھے اور دیوی دیوتاؤں کی عبادت کرنے والے بھی۔ لیکن نہ کسی دین والے نے مظلوموں اور پریشان حال لوگوں کے حقوق کی بات کی اور نہ ہی معاشرے سے ظلم وتعدی روکنے کے لئے کوئی عملی کوشش کی۔

یہ وہ دور تھا کہ جس میں عورتوں کو جانور سمجھا جاتا تھا، پیدا ہونے والی بچی کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد بیوی کو شوہر کی چتا پر زندہ جلا دیا جاتا تھا اور یہ سب مذہب اور عزت وناموس کے نام پر کیا جاتا تھا۔ ایسے دور میں غلاموں اور باندیوں کا کیا حال رہا ہوگا، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، اور کیا ایسے ماحول میں کوئی پرندوں اور جانوروں کے حقوق کی بات کرسکتا تھا؟

لیکن تن تنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے ہیں اور بادمخالف کی پرواہ کئے بغیر ظلم وتعدی کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، ظالم کو اس کے عمل کی جوابدہی اور اس کے جرم کی سزا دینے کی بات کرتے ہیں، معاشرے میں پھیلی بدامنی کو ختم کر کے ایک نظام حکومت قائم کرتے ہیں، جس میں سب کے حقوق متعین ہوتے ہیں اور سب کو امن وامان سے رہنے کا قانونی حق دیتے ہیں۔

عورتوں اور یتیم بچوں کو ان کا حق دلاتے ہیں، بوڑھوں، کمزوروں، مریضوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ غلاموں کے حقوق متعین فرماتے ہیں اور ان کو آزاد کرنے پر ابھارتے ہیں۔ پرندوں اور جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، برادری واد، انساب پر فخر اور عجمی وعربی کے فرق کو مٹا دیتے ہیں۔

جیو اور جینے دو کے اصول کو نافذ فرماتے ہیں اور یہ آزادی دیتے ہیں کہ ہر مذہب والے کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا مکمل اختیار ہے، کسی کو کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔ اور اسی اصول پر خود بھی عمل کرتے ہوئے مکہ کے کفار و

مشرکین سے، (جو کہ آپ سے برسرِ پیکار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے اصحابؓ کو ختم کر دینے اور صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لئے کئی جنگیں کر چکے تھے،) ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے امن کا اور بھائی چارگی قائم رکھنے کا معاہدہ کرتے ہیں اور اسی اصول کے تحت مدینہ میں بسنے والے یہود سے بھی ''میثاق مدینہ'' کے نام سے، ''صلح حدیبیہ'' سے پہلے معاہدہ کر چکے تھے۔

اہل طائف نے جب آپ کو لہولہان کر دیا اور فرشتے نے آکر آپ سے کہا کہ آپ ان کے لئے بددعا کر دیں کہ انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، تو آپ نے ان کی ہلاکت کے بجائے ہدایت کی دعا فرمائی۔ اسی طرح کفارِ مکہ کی عہد شکنی کی وجہ سے جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا اور آپ نے مکہ پر قبضہ کر لیا، تو اب موقعہ تھا کہ ان لوگوں سے جنھوں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے اصحاب کرامؓ پر ظلم کے پہاڑ توڑے تھے اور گھر سے بے گھر کر دیا تھا، چن چن کر ان میں سے ہر ایک سے بدلہ لیں اور سخت سے سخت سزا دیں، لیکن آپ سراپا رحمت تھے، بدلہ لینا گویا جانتے ہی نہ تھے، سب کو بلا کسی باز پرس کے معاف کر دیا اور امان دیدی۔

الغرض نبی اکرم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا رحمت تھے اور انسانوں کو انسانیت کا اور فلاح و کامیابی کا سبق سکھانے کے لئے، خالق دو جہاں رب کریم نے آپ کو بھیجا تھا۔ آپ کی تعلیمات اور آپ کا اسوہ پوری دنیا کے لئے پیغام امن و سلامتی ہے اور دنیا کے ہر فرد بلکہ ہر مخلوق کے حق کی حفاظت کا ضامن ہے۔ آپ تو امن و امان کی فضا قائم رکھنے کے لئے اور بھائی چارگی باقی رکھنے کے لئے، اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم دیگر مذاہب کے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہو، کہ اس سے امن و امان اور آپسی تعلقات میں خلل پڑے گا اور لوگ ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے لگیں گے۔ حالاں کہ اسلام کے نزدیک یہ معبودان باطل ہیں اور ان کی عبادت سراسر گمراہی ہیں۔

یہ سراسر جھوٹ اور الزام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو قوت اور تلوار سے پھیلایا ہے۔ قوت اور تلوار سے ملک فتح کئے جاسکتے ہیں، لیکن دلوں کو مسخر نہیں کیا جاسکتا، اسلام مکہ سے نکل کر جس طرف بھی گیا ہے اپنی تعلیمات اور اپنے پیغام امن و سلامتی کے ذریعہ پھیلتا چلا گیا ہے اور اسی کی بنیاد پر آج بھی دنیا میں قائم ہے۔

افسوس کہ بہت سے ایسے پاگل جنھیں اسلام سے چڑھ ہے، وہ نہ تو صحیح تاریخ پڑھتے ہیں اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بلکہ سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے نعوذ باللہ اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طرح طرح کے بیہودہ الزامات لگاتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد سستی شہرت حاصل کرنے، مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور اپنے ہمنواؤں کی ایک جماعت تیار کر لینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ ایسی دریدہ دہنی پر پابندی لگائے اور ان لوگوں کو سخت سے سخت سزا دے جو مذہبی شخصیات کی توہین کر کے آپسی بھائی چارے اور ملک کے امن و امان کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

نیز مسلمانوں کی بھی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر خود بھی عمل کریں اور لوگوں کو بھی واقف کرائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو مختلف زبانوں میں شائع کر کے ان لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے واقف ہونا چاہتے ہیں یا انھیں درست معلومات اب تک نہیں پہنچیں ہیں۔

سورۃ النباء

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ۝۶ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ۙ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ۝۸ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ۝۹ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ۝۱۰ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ۝۱۲ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳ۙ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ۝۱۵ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶ؕ

تشریح وتفسیر

(گذشتہ سے پیوستہ) اس کے بعد حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت وصنعت کے چند مناظر کا ذکر فرمایا ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس سارے عالم کو ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پھر ویسا ہی پیدا کر دے، اس میں زمین اور اس کے پہاڑوں کی تخلیق، پھر انسان کی تخلیق مرد وعورت کے جوڑے کی صورت میں بیان فرمائی، پھر انسان کی راحت اور صحت اور کاروبار کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے کا ذکر فرمایا۔ (معارف) چنانچہ ارشاد ہے:

''اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ۝۶'' (کیا ہم نے زمین کو ایک بچھونا نہیں بنایا) کہ اس پر رہائش اختیار کرو، کھیتی باڑی کرو، تجارت کرو اور تمہارا جینا مرنا بھی اس پر ہے۔

''وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ۙ'' (اور پہاڑوں کو زمین میں گڑی ہوئی میخیں) کہ اپنے بوجھ اور بھاری پن کی وجہ سے زمین کو ہلنے نہیں دیتے، جس طرح میخیں خیموں کو ہلنے نہیں دیتیں۔

''وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ۝۸'' (اور تمہیں [مرد وعورت کے] جوڑوں کی شکل میں ہم نے پیدا کیا۔ یعنی نر اور مادہ) تاکہ نر مادہ کا ملاپ ہو، اس سے نسل جاری ہو، اس کے نتیجے میں تمہارے درمیان باپ بیٹے، داماد، سسر کے رشتے قائم ہوں، اس وجہ سے ایک دوسرے سے الفت ومحبت کرو اور تعاون کرو، تاکہ دنیا کی زندگی میں رونق پیدا ہو۔

''وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ۝۹'' (اور تمہاری نیند کو تھکن دور کرنے کا ذریعہ ہم نے بنایا) ''سبات'' سبت سے مشتق ہے، جس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں۔ نیند کو حق تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ وہ انسان کے تمام ہموم و غموم اور افکار کو قطع کر کے اس کے قلب کو، دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اس کا بدل نہیں ہوسکتی۔

یہاں حق تعالیٰ نے انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نیند کا ذکر فرمایا ہے۔غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی ساری راحتوں کا مدار یہی ہے اور اس نعمت کو حق تعالیٰ نے پوری مخلوق کے لئے عام ایسا فرمادیا ہے کہ امیر، غریب، عالم، جاہل، بادشاہ اور مزدور سب کو یہ راحت یکساں بیک وقت عطا ہوتی ہے، بلکہ دنیا کے حالات کا تجزیہ کریں تو غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ مالداروں اور دنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی، ان کے پاس راحت کے سامان، راحت کا مکان، ہوا اور سردی گرمی کے اعتدال کی جگہ، نرم گدے تکیے سب کچھ ہوتے ہیں، جو غریبوں کو بہت کم ملتے ہیں، مگر نیند کی نعمت ان گدوں، تکیوں یا کوٹھی بنگلوں کی فضا کے تابع نہیں، وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، جو براہ راست اس کی طرف سے ملتی ہے۔بعض اوقات مفلس بے سامان کو بغیر کسی بستر تکیے کے کھلی زمین پر یہ نعمت فراوانی سے دے دیجاتی ہے اور بعض اوقات ساز و سامان والوں کو نہیں دی جاتی۔ان کو خواب آور گولیاں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ گولیاں بھی کام نہیں کرتیں۔پھر غور کرو کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ نے جیسا ساری مخلوق انسان اور جانور کے لئے عام فرمایا ہے اور مفت بلا محنت سب کو دیا ہے، اس سے بڑی نعمت یہ ہے کہ صرف مفت بلا محنت ہی نہیں، بلکہ اپنی رحمت کاملہ سے اس نعمت کو جبری بنادیا ہے کہ انسان بعض اوقات کام کی کثرت سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ رات بھر جاگتا ہی رہے، مگر رحمت حق جل شانہ، اس پر جبراً نیند مسلط کر کے اس کو سلا دیتی ہے کہ دن بھر کی تکان دور ہو جائے اور اس کے قویٰ مزید کام کے لئے تیز ہو جائیں، آگے اسی نیند کی عظیم نعمت کا تکملہ یہ بیان فرمایا:

''وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ '' (اور رات کو پردے کا سبب ہم نے بنایا۔) یعنی رات کو ہم نے چھپانے کی چیز بنادیا۔اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کو فطرۃً نینداس وقت آتی ہے، جب روشنی زیادہ نہ ہو، ہر طرف سکون ہو، شور شغب نہ ہو۔حق تعالیٰ نے رات کو لباس یعنی اوڑھنے اور چھپانے کی چیز فرما کر اشارہ کر دیا کہ قدرت نے تمہیں صرف نیند کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی، بلکہ سارے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لئے ساز گار ہوں۔اول رات کی تاریکی، دوسرے پورے عالم انسان اور جانور سب پر بیک وقت نیند کا مسلط ہونا کہ جب سبھی سو جائیں گے تو پورے عالم میں سکون ہو گا ورنہ دوسرے کاموں کی طرح اگر نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے مختلف ہوا کرتے تو کسی کو بھی نیند کے وقت سکون میسر نہ آتا۔اس کے بعد ارشاد ہے:

''وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ '' (اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت ہم نے قرار دیا) انسان کی راحت و سکون کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو غذا وغیرہ کی ضروریات ملیں، ورنہ وہ نیند موت ہو جائے گی۔اگر ہمہ وقت رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو یہ چیزیں کیسے حاصل ہوتیں، ان کے لئے جدوجہد اور محنت اور دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے، جو روشنی میں ہو سکتی ہیں۔اس لئے فرمایا کہ تمہاری راحت کو مکمل کرنے کے لئے ہم نے صرف رات اور

اس کی تاریکی ہی نہیں بنائی بلکہ ایک روشن دن بھی دیا، جس میں تم کاروبار کر کے اپنی معاشی ضروریات حاصل کر سکو۔ **فتبارک اللہ احسن الخالقین.** (معارف)

''وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲'' (اور ہم نے ہی تمہارے اوپر سات مضبوط وجود (آسمان) تعمیر کیے) یعنی اوپر آسمان کے سات سخت اور مضبوط طبقے بنائے ہیں۔ جو کبھی پرانے نہیں ہوتے اور مدت دراز گزرنے کے باوجود ان میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔

''وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳'' (اور ہم نے ہی ایک دہکتا ہوا چراغ [سورج] پیدا کیا) جو خود روشن ہے اور اس دنیا کو روشن کرنے والا ہے، روشنی کے سوا اس کے اور بھی بہت سے منافع ہیں، جس میں سے پھلوں کا پکنا اور کھیتی کا تیار ہونا اور بقدر ضرورت حرارت حاصل ہونا بھی ہے اور نئی ایجادات اور نئے آلات کی وجہ سے تو سورج کے بہت سے فوائد سامنے آ گئے ہیں۔ (انوار البیان)

''وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴'' (اور ہم نے ہی بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا) مُعْصِرَاتِ ''معصرہ'' کی جمع ہے، جو پانی سے بھرے ہوئے ایسے بادل کو کہا جاتا ہے جو برسنے ہی والا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونے کا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضائے آسمانی ہو جیسے کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنی کے لئے آیا ہے اور یا یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آ سکتی ہے، اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ (معارف)

''لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۝۱۵ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶'' (تاکہ اس سے غلہ اور دوسری سبزیاں بھی اُگائیں اور گھنے باغات بھی) جن میں طرح طرح کے پھل دار میوے لگتے ہیں، غلوں اور سبزوں سے انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان بنایا اور ان ہی چیزوں سے عیش وعشرت اور راحت ولذت کے جملہ اسباب پیدا کئے۔ پانی بھی ایک، زمین بھی ایک، ہر ایک کی خاصیت اور طبیعت بھی واحد ہے، لیکن دیکھو کہ غلوں، پھلوں اور پھولوں کے کس قدر مختلف اور کیسے متفاوت ذائقے اور متضاد خاصیتیں ہیں۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہ کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں۔ پھر یہ کہ یہ رزق پیدا کر کے ہر ایک کو خواہ کوئی مومن ہو یا کافر نفع اٹھانے کی اجازت دیدی۔

قدرت کی عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر بتلا دیا کہ جو خدا ایسی قدرت وحکمت والا ہے، کیا اسے تمہارا دوسری مرتبہ پیدا کرنا اور حساب وکتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا؟ اور کیا اس کی حکمت کے یہ بات منافی نہ ہوگی کہ اتنے بڑے کارخانہ کو یوں ہی خلط ملط بے نتیجہ پڑا چھوڑ دیا جائے گا۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہئے، اسی کو ہم ''آخرت'' کہتے ہیں، جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے، ویسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔ (تفسیر عثمانی) (جاری)

درس حدیث

دورِ حاضر اور علامات قیامت

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

ہر آنے والا وقت گزرے ہوئے وقت سے بدتر ہوتا چلا جائے گا:

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، قَالَ: أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الحَجَّاجِ، فَقَالَ: اصْبِرُوا، فَإِنَّهُ لاَ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ، حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری: 7068)

ترجمہ: حضرت زبیر بن عدی روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک کے پاس آئے اور ان مظالم کی شکایت کی جو ہم پر حجاج کی طرف سے ہوتے تھے، تو انہوں نے کہا: صبر کرو! اس لئے کہ کوئی زمانہ نہیں آئے گا مگر اس کے بعد والا زمانہ اس سے زیادہ برا ہوگا؛ حتی کہ تم اپنے رب سے جاملوگے، میں نے بات تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُصُ إِلَّا الشَّرَّ، فَإِنَّهُ يُزَادُ فِيهِ۔ (مسند احمد: 27483)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں مستقل کمی ہوتی رہے گی سوائے شر کے، کیونکہ وہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: لَا يَزْدَادُ الْأَمْرُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَا الدُّنْيَا إِلَّا إِدْبَارًا، وَلَا النَّاسُ إِلَّا شُحًّا، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ، وَلَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔ (ابن ماجہ: 4039) وفی روایۃ عنہ: لَنْ يَزْدَادَ الزَّمَانُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَا يَزْدَادُ النَّاسُ إِلَّا شُحًّا، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ۔ (مستدرک حاکم: 8364)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: کہ معاملے میں شدت بڑھتی ہی جائے گی اور دنیا میں ادبار (افلاس واخلاق رذیلہ) بڑھتا ہی جائے گا، لوگ بخیل سے بخیل تر ہوتے جائیں گے اور قیامت انسانیت کے بدترین افراد پر قائم ہوگی اور (قرب قیامت حضرت مہدی کے بعد) کامل ہدایت یافتہ شخص صرف حضرت عیسیٰ بن مریم ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ: زمانے کے احوال میں شدت بڑھتی ہی جائے گی .... (بقیہ الفاظ وہی ہیں)

عَنْ مُعَاوِيَةَ بن أَبِي سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا بَلَاءٌ وَفِتْنَةٌ۔ (ابن ماجہ: 4035)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دنیا میں اب

صرف مصیبت اور فتنہ ہی بچ گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ، قَالَ: إِنَّ شَرَّ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ وَالشُّهُورِ وَالْأَزْمِنَةِ أَقْرَبُهَا إِلَى السَّاعَةِ۔(الفتن لنعیم بن حماد: 64)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مہینوں، دنوں اور راتوں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو قیامت کے قریب تر ہیں، گویا جوں جوں قیامت قریب ہوتی چلی جائے گی شدّت بڑھتی چلی جائے گی۔

تشریح

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خیر القرون کے بعد ہی سے دورِ فتن وشرور کا آغاز ہو گیا تھا، اور آہستہ آہستہ زمانہ جس قدر آگے بڑھتا گیا اسی قدر اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جب کہ آئندہ حالات کیسے رہیں گے اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ قیامت کا زمانہ جس قدر تیزی سے قریب آتا جائے گا، حالات مزید سخت سے سخت ہوتے جائیں گے۔

رہا دورِ حاضر جو دورِ نبوت سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال بعد ہے، یہ تو دورِ فتن ہے ہی، آئے دن نت نئے فتنے نمودار ہو رہے ہیں اور ہر دن کا فتنہ گذشتہ کل کے فتنہ کی سنگینی وہولناکی کو کم کر دیتا ہے اور اہلِ ایمان واہلِ تقویٰ کے لئے مزید سخت حالات پیدا کر دیتا ہے۔

چوری ڈکیتی، لوٹ کھسوٹ، قتل وغارت گری، زناکاری وبدکاری اور فحاشی وعیاشی کا عموم، حرام مال کی بہتات اور بلا تکلف مال حرام کو حلال سمجھ کر کھانے والوں کی کثرت؛ یہی کیا کم فتنے تھے کہ آئے دن نئے نئے مدعیانِ نبوت ومہدویت نے ایمان پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں۔ نئے نئے لباس میں اور نئے نئے دعووں کے ساتھ یہ ظاہر ہو رہے ہیں اور اچھے خاصے دین سے تعلق رکھنے والوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

پھر اب تو باطل وگمراہ مذاہب والے یہ مطالبہ بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ مذہبِ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے، اور اس کے ماننے والے دہشت گرد ہیں، اس لئے ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ اسلام سے اپنا تعلق ختم کر لیں۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الزامات لگائے جا رہے ہیں، آپ کو نعوذ باللہ گالیاں دی جا رہی ہیں۔ اور یہ سب کھلے عام ہو رہا ہے۔ کوئی اسے روکنے والا اور اس پر پابندی لگانے والا نہیں ہے۔ (جب کہ اسلام سراپا رحمت ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس پیمانے پر انسانیت کا درس دیا اور سارے عالم کو امن کا پیغام دیا کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں ہے۔)

ابھی تک مسلمان لڑکیوں ہی کے مرتد ہونے کے واقعات سنائی دیتے تھے، اب پڑھے لکھے مردوں کے مرتد ہونے کی خبریں آنے لگیں ہیں۔ یہ سب فتنہ نہیں ہے تو کیا ہے۔ دنیا میں جنگ وغیرہ کے حالات کچھ ایسے ہوتے جا رہے ہیں کہ محسوس ہوتا کہ آنے والے دنوں میں اہلِ ایمان وتقویٰ کے لئے مزید سخت حالات ہوں گے اور انھیں اپنے ایمان کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی۔ اللھم احفظنا منہ۔

نسل نو اور اصلاح معاشرہ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

کسی بھی قوم و جماعت کا نوجوان ہی اس قوم کا معمار ہوتا ہے اور نئی نسل کی صلاحیتیں ہی اس قوم کے مستقبل کی جہت متعین کرتی ہیں۔ نوجوان جس طرح گھر اور خاندان کا ایک اہم فرد ہے اور گھریلو و خاندانی ماحول کو پرسکون بنانے کے لیے اس پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اسی طرح گھر و خاندان کے دائرے سے آگے معاشرہ کا بھی وہ ایک اہم فرد ہے، بلکہ صحت منداور اسلامی معاشرہ کے تشکیلی عناصر کا وہ جزولاینفک ہے۔

معاشرے کی اصلاح اور خوشگوار اسلامی معاشرے کی تشکیل میں نسل نو کی ذمہ داری سب سے اہم ہے، اس کی اپنی فرض شناسی، ہمدردی، اس کے اسلامی کردار و گفتار اور اخلاق و اعمال حسنہ کے بغیر، معاشرے کی اصلاح اور اسلامی معاشرے کا وجود نا کام و نا تمام رہتا ہے، بلکہ اس کے بغیر اصلاح معاشرہ کے لیے کی جانے والی تمام محنت و کوشش رائیگاں و بے کار ہے۔

نسل نو ہی اپنے اسلامی کردار و اعمال، اچھے و نیک اخلاق و عادات، بزرگوں کے ادب و احترام، ضعیفوں کی امداد و اکرام، کمزوروں کے ساتھ ہمدردی، غمزدوں اور مصیبت کے ماروں کے ساتھ دلداری، مظلوموں کی فریادرسی، پڑوسیوں کے ساتھ رواداری، ساتھیوں کے ساتھ شفقت و محبت اور باطل طاقتوں کے ساتھ نبرد آزمائی کر کے ہی ایک مثالی اور عمدہ معاشرہ تشکیل کرسکتا ہے۔

اس لئے نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ خود کو پہچانیں اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کریں۔ انہیں اپنی فکری بنیادوں کو مضبوط بنا کر معاشرتی تبدیلی میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر خود بھی دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی قوم و معاشرے کو بھی طوفان بلاخیز سے نکال کر بآسانی ساحل تک پہنچا سکتے ہیں۔

اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیاوی اور دینی دونوں علوم حاصل کریں۔ علم حاصل کرنا نہ صرف اسلام کا تقاضا ہے بلکہ اس دور میں ترقی اور فلاح کا واحد ذریعہ بھی ہے۔ اسی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنے کردار کو مضبوط بنانا، فحاشی و برائیوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا، لایعنی و بے مقصد کاموں سے اپنے کو بچا کر رکھنا بھی ضروری ہے۔ نوجوان کا کردار نہ صرف اس کی ذاتی زندگی کو بہتر بناتا ہے، بلکہ معاشرے میں بھی ایک مثبت تبدیلی لاتا ہے۔

مسلم نوجوانوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی کو صرف ذاتی مفادات کے لیے محدود نہ رکھیں بلکہ امت مسلمہ اور انسانیت کی خدمت کو اپنا مشن بنائیں۔ انہیں معاشرتی کاموں، رفاہی سرگرمیوں، اور علم کی ترویج میں حصہ لینا چاہیے۔

آج کے دور میں اسلامی معاشرے کو اندرونی تقسیم کا سامنا ہے۔ قومیت اور برادری واد کے ساتھ، گروہ بندی اور جماعتی تقسیم کی جڑیں بھی بہت مضبوط ہیں، جنھیں اکھاڑ کر اتحاد اور اسلامی بھائی چارے کو فروغ دینا ضروری ہے، تاکہ امت مسلمہ ایک مضبوط اور متحد قوم بن سکے۔

اسی طرح آج کا مسلم معاشرہ زناکاری، فحاشی، نشہ خوری اور لوٹ کھسوٹ کا بھی شکار ہے، جس کے اسباب میں سے نوجوانوں کی طرف سے بے جا جہیز کا مطالبہ، تاخیر سے شادی، بے روزگاری، تربیت کا فقدان اور نوجوانوں میں اپنی ذمہ داری کا عدم احساس ہیں۔ ان برائیوں کے دور کرنے اور ان میں سدھار پیدا کرنے کے لئے بھی نسل نو ہی کو سامنے آنا ہوگا۔

اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ نسل نو خود بھی قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے، نمازوں کا اہتمام کرے، تلاوت قرآن و مطالعہ قرآن کے ساتھ اصلاحی کتب کا بھی مطالعہ کرے، صدقہ خیرات اور ہمدردی و غمگساری کے ساتھ ایک دوسرے کے تعاون کے لئے آگے آئے۔ برائیوں سے اپنے آپ کو دور کرے، اور معاشرے و قوم کی اصلاح کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔

نسل نو اگر واقعی اپنی قوم و معاشرے کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے تو اسے لفاظی اور اور صرف نظریاتی گفتگو سے آگے نکل کر عملی اقدامات کرنے ہوں گے اور معاشرے کے مسائل سے آگاہ ہونا ہوگا۔ ساتھ ہی اپنی جد وجہد میں صبر اور استقامت کا مظاہرہ بھی کرنا ہوگا۔ یاد رہے کامیابی ہمیشہ فوری طور پر نہیں ملتی لیکن مستقل مزاجی اور محنت کے ساتھ اللہ کی مدد سے کامیابی ضرور حاصل ہوتی ہے۔ آج کے نوجوانوں کے پاس انٹرنیٹ اور جدید ٹیکنالوجی بھی ہے، جس سے وہ علم کے حصول، عالمی مسائل کو سمجھنے، اور اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اسے چاہیے کہ وہ ان وسائل کا مثبت استعمال کرے۔

آج کا دور سائنسی ترقی، معاشرتی تبدیلی اور ثقافتی متضاد رویوں کا دور ہے، جہاں نوجوانوں کو کئی چیلنجز کا سامنا ہے، لیکن ان چیلنجز کے ساتھ ساتھ بے شمار مواقع بھی موجود ہیں۔ مغربی تہذیب کے اثرات، سوشل میڈیا کا بڑھتا ہوا استعمال، اور دینی اور دنیاوی تعلیم میں عدم توازن نوجوانوں کو فکری لحاظ سے منتشر کر رہا ہے۔

اس کے لئے علماء کو سامنے آنا ہوگا، انھیں چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں جدید دور کے مسائل کا حل بتائیں اور انہیں دین کے ساتھ دنیاوی معاملات میں بھی رہنمائی فراہم کریں۔

نوجوانوں کی مثبت سوچ، ان کی علمی پختگی، ان کا اعلی کردار اور معاشرے کی فلاح کے لئے ان کے عملی اقدامات سے امت مسلمہ کو بڑا فائدہ ہو سکتا ہے۔

سُنّت کی برکتیں

(پہلی قسط) مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ

''سنّت'' کے معنی طریقہ وعادت کے ہیں اور ہم جب سنّت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد ہوتا ہے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ زندگی''۔ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں: ''وسنّة النبي صلى الله عليه و سلم طريقته التي كان يتحرّاها.'' (مفردات، ص:۲۴۵) ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصداً اختیار فرمایا کرتے تھے۔''

سنت کا یہ مفہوم بڑا وسیع اور جامع ہے اور پورا دین اور دین کے تمام شعبے اس کے اندر آجاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن عقائد کی تعلیم فرمائی؟ عبادات کیسے ادا فرمائی تھیں؟ معاملات ومعاشرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا تھا؟ سیاست وجہانبانی، صلح وجنگ اور فصلِ خصومات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا انداز تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار وگفتار، نشست وبرخاست کیسی ہوتی تھی؟ کیسی شکل وشباہت اور لباس وپوشاک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند یا ناپسند فرماتے تھے؟ الغرض عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات، معاشرت ہو یا سیاست، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا ثبت نہ ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اُمت کی رہنمائی نہ فرمائی ہو۔

سُنّت کی عظمت واہمیت: ہر مسلمان کو شاہراہِ حیات پر سفر کرتے ہوئے قدم قدم پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے دلائل بے شمار ہیں، مگر میں یہاں صرف تین وجوہ کے ذکر پر اکتفا کروں گا: اول: یہ کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہیں۔ کلمہ طیبہ ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' پڑھ کر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ونبوت پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے یہ عہد باندھا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم اور ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے۔ اس معاہدۂ ایمانی کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری تمام زندگی کا کوئی قدم منشائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نہ اُٹھے اور ہماری تمام خواہشات سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوں، کیونکہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به۔'' (مشکوٰۃ:۳۰) ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اُس دین کے تابع ہوجائے، جسے میں لے کر آیا ہوں۔'' پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصبِ رسالت ونبوت اور ہمارے اُمتی ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ زندگی کو پورے طور پر اپنائیں اور کسی دوسرے طریقۂ زندگی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ۔'' (النساء:۶۴) ترجمہ: ''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا، صرف اسی لیے بھیجا کہ بحکمِ خداوندی اس کی فرمانبرداری کی جائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ زندگی سے انحراف، ایک لحاظ سے گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ونبوت کا انکار کردینے کے ہم معنی ہے۔ صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبىٰ، قيل ومن أبىٰ؟ قال من أطاعني دخل الجنة، ومن عصاني فقد أبىٰ۔'' (مشکوٰۃ، ص: ۲۷) ترجمہ: ''میری اُمت کے سارے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، سوائے اس کے جس نے انکار کردیا، عرض کیا گیا: انکار کس نے کیا؟ فرمایا: جس نے میرا حکم مانا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے حکم عدولی کی، اس نے انکار کردیا۔''

دوسری وجہ: یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمارا تعلق محض قانون اور ضابطے کا نہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے محبوب بھی ہیں اور محبوب بھی ایسے کہ حسینانِ عالم میں کوئی بھی محبوبیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسری نہیں کرسکتا، چنانچہ ارشاد ہے: ''لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ، ص: ۱۲) ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔''

اور محبت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ محب کو اپنے محبوب کا ہم رنگ بنادیتی ہے۔ کسی عاشق دل دادہ سے پوچھئے کہ اس کے نزدیک محبوب کی اداؤں کی کیا قدر وقیمت ہے اور وہ چال ڈھال اور رفتار وگفتار میں اپنے محبوب سے ہم رنگی ومشابہت کی کتنی کوشش کرتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جانِ جہاں اور محبوبِ محبوبانِ عالم ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سچے عاشق کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں پر کس قدر مرمٹنا چاہیے؟ ایک عارف فرماتے ہیں: پس جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے انحراف کرکے یہود ونصاریٰ کی سنت کو اپناتے ہیں، ان کا دعوائے محبت بے روح ہے: ''تعصي الرسول وأنت تزعم حبه هٰذا العمري في الزمان بديع لو كنت صادقا في حبه لأطعته فإن المحب لمن يحب يطيع'' ترجمہ: ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بھی دعویدار ہو۔ بخدا! یہ بات تو زمانے کے عجائبات میں سے ہے۔ اگر تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سچے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مانتے، کیونکہ عاشق تو اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔''

تیسری وجہ: یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قیامت تک کے لیے دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی اور انسانیت کی فلاح وسعادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں سے وابستہ کردی گئی ہے۔ اگر اس دنیا میں سعادت وکامیابی کے ایک سے زیادہ راستے ہوتے تو ہمیں اختیار ہوتا کہ جس راستے کو چاہیں اختیار کرلیں، لیکن یہاں ایسا نہیں، بلکہ ہدایت وسعادت، صلاح وفلاح اور کامیابی وکامرانی کا بس ایک ہی راستہ کھلا ہے اور وہ حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہے، اس راستہ کے علاوہ باقی تمام راستے بند کردیئے گئے ہیں: مپندار سعدی کہ راہِ صفا تواں رفت جز برپئے مصطفیٰؐ۔

حضرت عمرؓ کا مشہور قصہ ہے کہ وہ ایک بار یہودیوں کے بیت المدراس تشریف لے گئے اور وہاں سے تورات کے چند اوراق اٹھا لائے اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پڑھنا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ بدلنے لگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا رنگ دیکھا تو

اوراق لپیٹ کر رکھ دیئے، اور یہ کہنا شروع کیا: ”أعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ، رضیت باللہ ربا، وبالإسلام دینا وبمحمد نبیا۔“ ترجمہ: ”میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غضب سے، میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، اسلام کو اپنا دین مان کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبی مان کر راضی ہوا۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”والذي نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتموني لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیاً وأدرک نبوتي لاتبعني۔“ (مشکوٰۃ، ص: ۲۲۲) ترجمہ: ”اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے، اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر اُن کی پیروی کرنے لگو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ خود میری پیروی کرتے۔“

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”أمتھوّکون أنتم کما تھوّکت الیھود والنصاریٰ؟ لقد جئتکم بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیاما وسعہ إلا اتباعي۔“ (مشکوٰۃ، ص: ۳۰) ترجمہ: ”کیا تم اسی طرح بھٹکا کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ بھٹک رہے ہیں؟! بخدا! میں تمہارے پاس روشن اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو اُن کو بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔“

تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے دور میں ہدایت وسعادت کے سرچشمے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہ تمام سرچشمے بند کردیئے گئے اور ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت وطریقہ کے بجائے ان حضرات کی شریعت وطریقہ پر عمل کرنا بھی ضلالت وگمراہی قرار پائی۔ اس واقعہ سے ہمیں تین عظیم الشان سبق ملتے ہیں: ایک: یہ کہ جب انبیاء گزشتہ کی پیروی بھی ہمارے لیے موجبِ فلاح وسعادت نہیں، بلکہ گمراہی وضلالت ہے تو ان کی بھٹکی ہوئی قوموں کے نقشِ قدم پر چلنا فلاح وسعادت کا موجب کیونکر ہوسکتا ہے؟ اسی سے اندازہ کیجیے کہ آج کے مسلمان جو سنتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر عمل پیرا ہونے کے بجائے یہود و نصاریٰ کی نقالی میں فخر محسوس کرتے ہیں، وہ فلاح وسعادت سے کس قدر محروم ہیں اور ان کی ضلالت وگمراہی کس قدر لائقِ صد ماتم ہے۔

آج اُمتِ مسلمہ دربدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے، اس کا راز یہی ہے کہ اس نے اپنا قبلہ تبدیل کرلیا۔ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ رحمت سے کٹ کر وابستۂ اغیار ہوگئی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس طریقۂ زندگی کو چھوڑ کر گمراہ ومغضوب قوموں کے اختراع کردہ نظامہائے زندگی کی تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ اس نے آفتابِ مدینہ سے منہ موڑ کر مغرب کی ظلمتوں سے روشنی کی دریوزہ گری شروع کردی ہے۔ انہوں نے اپنے آئینِ سیاست اور اپنے آدابِ معاشرت، اپنی شکل وصورت اور اپنی عقل وخرد کو یہود و نصاریٰ کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ آج کسی مسلمان کی شکل وصورت، اس کے رہن سہن، اس کی نشست وبرخاست، اس کے اندازِ گفتگو اور اس کے مظاہر زندگی کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُمتی ہے یا کسی یہودی وعیسائی اور کسی خدا بیزار قوم کا فرد ہے۔ اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ

وسلم سے ایسی بے وفائی واحسان فراموشی کا نتیجہ ہے کہ انفرادی طور پر ہر شخص کا ذہنی سکون غارت ہو چکا ہے اور اجتماعی طور پر ذلت وخواری ان کا مقدر بن چکی ہے: خرمانتواں یافت ازیں خار کہ کشتیم دیبانتواں بافت ازیں پشم کہ رشتیم۔

دوسرا سبق ہمیں اس سے یہ ملتا ہے کہ: جب آنحضرت کی تشریف آوری کے بعد حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتیں بھی منسوخ ہوگئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی نقال اور کسی جھوٹے مدعی نبوت کی پیروی کی گنجائش کب رہ جاتی ہے؟ اور اگر دورۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی بھی گمراہی وضلالت ہے، تو کسی مسیلمۂ پنجاب اور اسودِ قادیان کی پیروی کے جہالت وحماقت ہونے میں کیا شبہ رہ سکتا ہے؟

تیسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انبیاء گزشتہ کی سنتوں اور طریقوں کو اختیار کرنے کی بھی گنجائش نہیں تو بعد کے کسی انسان کی خودتراشیدہ خواہشات وبدعات کو اپنانے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ دین کے نام پر خودتراشیدہ رسوم وبدعات کی سخت مذمت کی گئی ہے اور ضلالت وگمراہی فرمایا گیا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایسا بلیغ وعظ فرمایا، جس سے آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوگئے اور دل تھرتھرا گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ایسا وعظ فرمایا، گویا آپ ہمیں رخصت فرمارہے ہیں، اس لیے ہمیں کوئی خصوصی وصیت فرمائیے، ارشاد ہوا:

”أوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ، وإن کان عبداً حبشیاً، فإنہ من یعش منکم بعدي فسیری اختلافاً کثیراً، فعلیکم بسنتي وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، تمسکوا بھا، وعضوا علیھا بالنواجذ، وإیاکم ومحدثات الأمور، فإن کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔“ (مشکوٰۃ، ص: ۳۰) ترجمہ: ”میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور امیر کی سمع وطاعت بجالانے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ حبشی غلام ہو، کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، پس میری سنت کو اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑنا اور دانتوں کی کچلیوں سے مضبوط تھام لینا اور جو نئے امور دین میں اختراع کیے جائیں ان سے بچتے رہنا، کیونکہ ہر ایسی ایجاد تو بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اکابرِ امت فرماتے ہیں کہ: دین میں کسی نئی بدعت کی ایجاد درپردہ رسالتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی تنقیص ہے، کیونکہ بدعت کے ایجاد کرنے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی ایجاد کردہ بدعت کے بغیر دین نامکمل ہے اور یہ کہ نعوذ باللہ! خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر وہاں تک نہیں پہنچی، جہاں اس بدعت پرست کی پہنچی ہے، یہی وجہ ہے کہ بدعت کے ایجاد کرنے کو دینِ اسلام کے منہدم کردینے سے تعبیر فرمایا، حدیث میں ہے: ”مَنْ وَقَّرَ صاحب بدعۃٍ فقد أعان علیٰ ھدم الإسلام۔“ (مشکوٰۃ، ص: ۳۱) ترجمہ: ”جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی، اس نے اسلام کے منہدم کرنے پر مدد کی۔“ (جاری)

مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار نقیب و چاؤش اور خیل و حشم کا دربار نہ تھا۔ دروازہ پر دربان بھی نہیں ہوتے تھے۔ تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکرِ تصویر نظر آتا تھا۔ احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں، یعنی کوئی شخص ذرا بھی جنبش نہیں کرتا تھا۔ گفتگو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا، لیکن یہ امتیاز مراتب، نسب و نام یا دولت و مال کی بنا پر نہیں، بلکہ فضل و استحقاق کی بنا پر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے معروضات سن کر ان کی حاجات برآری فرماتے۔ تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے، خود بھی آپ علیہ السلام مؤدب ہو کر بیٹھتے۔

جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا۔ کوئی شخص بولتا تو جب تک چپ نہ ہو جائے، دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا۔ اہل حاجت عرض مدعا میں ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے۔ آپ علیہ السلام کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے۔ جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے۔ کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپ علیہ السلام نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل ہو جاتے۔ ہنسی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے۔ کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آ جاتا تو حسب مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے۔ مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے۔ یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔

ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آ جاتا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤسا اور امراء جب دربار جماتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے۔ آپ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں، اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈنی چاہیے۔ البتہ جوش محبت میں کسی کسی کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ چناں چہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا جب کبھی آ جاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چُومتے۔ (حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی آپ نے اٹھ کر چادر بچھا دی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔)

آدابِ مجلس: ان مجالس میں آنے والوں کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے۔ خلق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر خاتم

کی حیثیت سے رونق افروز ہیں۔صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں۔ایک شخص آتا ہے اور اس کو نبی اکرم علیہ السلام اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔لوگوں سے پوچھتا ہے محمد کون ہے؟صحابہ بتاتے ہیں کہ یہی گورے سے آدمی، جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔وہ کہتا ہے:اے ابن عبدالمطلب!میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا، خفا نہ ہونا۔آپ ﷺ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔بایں ہمہ سادگی وتواضع، یہ مجلس رعب وقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھی۔نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات وتلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب اور تزکیہ نفوس تک محدود تھا۔

اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں،لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے۔مثلاً: یارسول اللہ!میرے باپ کا کیا نام ہے؟میرا اونٹ کھو گیا ہے،وہ کہاں ہے؟آپ علیہ السلام اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کیے گئے تو آپ علیہ السلام نے برہم ہو کر فرمایا کہ جو پوچھنا ہے پوچھو، میں سب کا جواب دوں گا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا:''رضیت''(میں خوش ہوں) کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا۔ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھا۔ اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔بعض اوقات آپ علیہ السلام گفتگو کر رہے ہوتے، کوئی صحرا نشین بدو، جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعتاً آجاتا اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا۔آپ ﷺ سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے۔

اوقاتِ مجلس: اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا۔نماز فجر کے بعد آپ ﷺ بیٹھ جاتے اور فیوض روحانی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ علیہ السلام ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی۔چناں چہ کعب بن مالک پر جب غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ ان ہی مجالس میں آکر نبی اکرم ﷺ کی خوش نودی، مزاج کا پتا لگاتے۔چوں کہ افادہ عام ہوتا تھا، اس لیے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے مرحوم نہ رہنے پائے۔اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آکر واپس چلے جاتے تو ان پر آپ علیہ السلام نہایت ناراض ہوتے تھے۔آپ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے۔ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی، وہیں بیٹھ گئے۔دوسرے صاحب کو درمیان میں موقع نہ ملا، اس لیے سب کے پیچھے بیٹھے،لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے۔ نبی اکرم ﷺ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے بھی اس کو پناہ دی۔ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمایا۔ایک نے خدا سے منھ پھیرا، خدا نے بھی اس سے منھ پھیر لیا۔پند ونصائح کتنے ہی موثر طریقے سے بیان کیے جائیں،لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اُکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں۔اس بنا پر نبی اکرم ﷺ وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے۔

عورتوں کے لیے مخصوص مجالس: ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا۔اس

بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کی اوران کے وعظ وارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔ اگرچہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں جو خاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے تھے۔ تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوتا۔

طریقۂ ارشاد: کبھی کبھی آپ ﷺ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے۔ اس سے لوگوں کی جودتِ فکر اور اصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ علیہ السلام نے پوچھا: وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے ہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے؟ لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا، میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن میں کم سن تھا، اس لیے جرأت نہ کر سکا۔ بالآخر لوگوں نے عرض کی کہ آپ بتائیں۔ ارشاد فرمایا: کھجور۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش! میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔

ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقے میں علمی باتیں ہو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دونوں عمل خیر کر رہے ہیں، لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلّم بنا کر مبعوث کیا ہے۔ یہ کہہ کر علمی حلقے میں بیٹھ گئے۔

مجالس میں شگفتہ مزاجی: باوجود اس کے کہ ان مجالس میں صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیۂ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے کہ "کأن الطیر فوق رؤوسھم" (جیسے چڑیاں ان کے سروں پر بیٹھی ہوں) تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں۔

ایک دن آپ علیہ السلام نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی۔ خدا نے کہا: کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیار ہو جائے۔ چناں چہ، اس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اُگا، بڑھا اور کاٹنے کے قابل ہو گیا۔ ایک بدو بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی جو زراعت پیشہ ہیں، لیکن ہم لوگ تو کاشت کار نہیں۔ آپ علیہ السلام ہنس پڑے۔

فیضِ صحبت: ایک دفعہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کہ ہم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے، لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔

ایک دفعہ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے اور کہا: یارسول اللہ! میں منافق ہو گیا ہوں۔ میں جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ علیہ السلام دوزخ، جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں، لیکن بال بچوں میں آکر سب بھول جاتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

انبیاء کی بعثت انسانیت کی

سب سے اہم ضرورت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

خدا نے انسانوں کی جو بستی بسائی ہے، وہ کتنی وسیع، کتنی خوب صورت اور کتنی متنوع ہے! ہزاروں مخلوقات ہیں اور ہر ایک دوسرے سے مختلف، بلکہ اپنی صلاحیتوں اور عادتوں کے اعتبار سے بالکل متضاد کیفیتوں کی حامل، لیکن ایسا لگتا ہے ان کو ان کے کاموں کے بارے میں قدرت نے کوئی کتاب پڑھادی ہے، وہ ایک مقررہ دستور کے مطابق اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں، سورج کو معلوم ہے کہ اسے مشرق سے نکلنا ہے اور مغرب کی سمت میں ڈوبنا ہے، سمندر ہزاروں سال سے اپنے دائرہ میں مسلسل بہہ رہا ہے اور اپنی تلاطم خیز موجوں کے ساتھ کروٹیں لیتا رہتا ہے، وہ فضا کو بادل کی سوغات دیتا ہے اور دن رات زمین کی آلائشوں کو تحلیل کرنے میں لگا ہوا ہے، درخت مسلسل لگتا ہے کہ یہ سب پڑھی پڑھائی اور سیکھی سکھائی مخلوقات ہیں، جن کو اپنی ایک ایک ڈیوٹی کا علم ہے۔

جمادات و نباتات ہی نہیں، حیوانات کا بھی یہی حال ہے، جو چلتے پھرتے دوڑتے بھاگتے ہیں، ان کا کھانا پینا، لڑنا جھگڑنا، اپنی غذاؤں کا تلاش کرنا، حملہ کرنا اور مدافعت کرنا ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے ان کو بھی ان کی زندگی کا دستور پڑھا اور سمجھا دیا ہے، گائے، بکری گھاس اور درخت کے پتے کھاتی ہے، شیر اور باز زندہ جانوروں کا شکار کرتا ہے، چیل مردار کی تلاش میں چپہ چپہ ڈھونڈتا پھرتا ہے، بعض جانور ہیں جو چارہ بھی کھاتے ہیں اور اپنے سے چھوٹے جانوروں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں، پرندوں کو اپنا گونسلا بنانا اور چوہوں کو اپنا سرنگ نما مکان بنانا معلوم ہے، مکڑے جالے بنتے ہیں اور شہد کی مکھیاں اپنا چھتہ تیار کرتی ہیں، جس میں اتنے کمرے ہوتے ہیں کہ شاید بادشاہوں کے محلات میں بھی نہ ہوتے ہوں۔

کیا یہ سب کچھ ان مخلوقات نے آپ سے آپ جان لیا؟ قرآن نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ یہ کہ یہ سب اللہ کی راہ نمائی اور ہدایت کا نتیجہ ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿رَبُّنَا الَّذِیٓ أَعۡطَی كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهُۥ ثُمَّ هَدَی﴾ (طٰہٰ:50)

یعنی یہ رب کائنات کا کمال ہے کہ اس نے ہر چیز کو صورت بھی بخشی اور اسے اپنے وجود اور زندگی کے بارے میں راہ بھی سمجھائی اور سلیقہ بھی سکھایا۔

قرآن نے ایک اور موقعہ پر بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، (اعلیٰ:3) جیسے دین اور آخرت کے بارے

میں راہ نمائی ہدایت ہے، ویسے ہی دنیا میں کسی بھی مخلوق کو زندہ رہنے اور زندگی گزارنے کا جو طریقہ ودیعت کیا گیا ہے، اسے بھی قرآن "ہدایت" سے تعبیر کرتا ہے۔ اور یہ کچھ جانوروں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، حضرت انسان کے وجود میں بھی اس ہدایت ربانی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی کی طرف لپکتا اور اس سے دودھ پیتا ہے، آخر اس شیر خوار بچے کو کس نے بتایا کہ تمہاری غذا ماں کے سینہ میں ہے؟ اور پھر اس غذا کو ماں کے سینہ سے کشید کرنے کا سلیقہ کس نے سکھایا؟ ذراسی بے توجہی ہو تو بچہ کا رونا اور پیار پر بچہ کا مسکرانا، یہ بھی اسی ہدایت ربانی کا مظہر ہے، اس گونگے، بے زبان اور بے شعور بچہ کو کس نے سکھایا کہ دکھ اور درد کا اظہار رو کر اور خوشی کا اظہار ہنس کر اور مسکرا کر کیا جاتا ہے؟

تو جب خدا نے ہر چیز کو ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور اسے قدرتی طور پر دنیا میں رہنے سہنے کا طریقہ بتا دیا ہے، تو کیا انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے کسی طریقہ اور نظام کی ضرورت نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی، بلکہ زیادہ ہوگی، کیوں کہ انسان ایک گونہ بااختیار مخلوق ہے اور عقل وخرد کی نعمت نے اس کی نیکی اور بدی کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا ہے، شیر ایک وقت میں ایک ہی انسان یا حیوان کو شکار بناتا ہے، سانپ ایک بار ڈس کر ایک وجود کو فنا کرسکتا ہے، لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ وہ ایک ایٹم بم کے ذریعہ بیک وقت ایک پورے خطہ کو تباہ و برباد کرسکتا ہے اور بیک جنبش پلک لاکھوں انسانوں کی جان لے سکتا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ اس بات کا محتاج ہے کہ جینے اور مرنے کا سلیقہ سیکھے اور زندگی گزارنے کا طور وطریق جانے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کو زندگی گزارنے کا طریقہ کون بتائے؟ ہم اپنی عملی زندگی میں غور کریں تو ایک سیدھی سادھی اور دیکھی جانی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی مشین کو بناتا ہے اور کسی شے کو ایجاد کرتا ہے، وہی اس کی ضروریات سے آگاہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لیے مناسب اور غیر مناسب اور درست و نادرست طریقۂ استعمال کے فیصلے بھی کرسکتا ہے، صانع ہی بتا سکتا ہے کہ اس کی صنعت کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ اور موجد ہی راہ نمائی کرسکتا ہے کہ اس کی ایجاد کس طور کام میں لائی جائے؟

اس لیے جب اللہ تعالیٰ انسان کے خالق اور رب ہیں، اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے اور اسی کے اشارہ وحکم سے ہم اس کائنات میں زندہ ہیں، تو ضروری ہے کہ وہی ہمیں زندگی کے طور وطریق بھی سمجھائے اور اسی کا دیا ہوا نظام حیات ہمارے لیے مفید ہوسکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (اعراف:54)

کہ اللہ ہی انسان کا خالق ہے اور اسی کے اوامر واحکام انسان کے لیے واجب الطاعت ہیں۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد ہوا کہ حکم اور فیصلہ کا حق صرف اللہ ہی کو ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ (انعام:57)۔

دنیا میں بھی آپ جب کسی کمپنی سے کوئی بڑی مشین حاصل کرتے ہیں تو وہ ایک طرف اس مشین کی تفصیلات پر مشتمل کتاب ورسالہ آپ کے حوالہ کرتی ہے اور ساتھ ساتھ اپنے ایک انجینئر کو بھی آپ کی مدد کے لیے بھیجتی ہے کہ کتاب میں جو نظریہ اور

تھیوری بیان کی گئی ہے یہ انجینئر اور ماہر کاریگر اس کو عملی طور پر برت کر دکھائے اور محسوس طریقہ پر سمجھائے، کسی تمثیل کے بغیر۔

یہی صورت آسمانی کتاب اور انبیاء کی ہے، اللہ کی کتابیں نظام حیات کی راہ نمائی کرتی ہیں کہ انسان کو اس دنیا میں اپنی صلاحیتیں کس طرح استعمال کرنی چاہییں۔ یہ کتابیں دستور ہیں اور پیغمبر کی زندگی اس کی عملی تصویر ہے، گویا پیغمبر کتاب الٰہی کی شرح اور اس کا بیان ہوتا ہے، ایک ایک حرف جو اس کی زبان سے نکلے، ایک ایک عمل جو اس کے اعضاء و جوارح سے صادر ہو اور ایک ایک اختیاری کیفیت جو اس پر طاری ہو، منشاء ربانی کا عملی اظہار اور انسانیت کے لیے اسوۂ و نمونہ ہے۔

اسی لیے فرمایا گیا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ﴾ (النساء:80)

گویا نبوت محض قلب وذہن کی تسلی کا سامان اور آخرت کی فلاح ونجات ہی کا ذریعہ نہیں، بلکہ یہ سب سے بڑی انسانی ضرورت ہے، جیسے وہ اپنے پیٹ کے لیے غذا کا، تن ڈھکنے کے لیے لباس و پوشاک کا، علاج کے لیے دوا کا اور اپنی مدافعت اور حفاظت کے لیے اسلحہ اور ہتھیار کا محتاج ہے، اس سے بڑھ کر وہ انبیاء اور انبیاء کی تعلیمات کا محتاج ہے۔

کیوں کہ انبیاء کی تعلیمات اس کے پورے وجود کے لیے غذا ہیں، وہ ذہن و دماغ کو بتاتی ہیں کہ انہیں کیا سوچنا چاہیے؟ وہ آنکھوں کی راہ نمائی کرتی ہیں کہ انہیں کیا دیکھنا اور کیا نہ دیکھنا چاہیے؟ وہ زبان کو ہدایت دیتی ہیں کہ اللہ کی اس عظیم نعمت کا استعمال کن مقاصد کے لیے کیا جائے اور کن مفاسد سے بچا جائے؟ وہ ہاتھوں سے کہتی ہیں کہ یہ ظلم اور ظالموں کے خلاف اُٹھے، نہ کہ مظلوموں اور کمزوروں کے خلاف، وہ پاؤں کو بتاتی ہیں کہ اسے نیکی اور حق کی راہ میں چلنا چاہیے، نہ کہ باطل اور برائی کے راستہ میں اور اس کی چال تواضع وانکسار اور عجز وفروتنی کی ہونی چاہیے، نہ کہ کبر وافتخار اور غرور واستکبار کی۔

انسان خلوت میں ہو یا جلوت میں، بزرگوں کے ساتھ ہو یا عزیزوں کے ساتھ، محفل طرب میں ہو یا کارزار حرب میں، دشمنوں کا سامنا ہو یا دوستوں کا، عدالت کی کرسی پر ہو یا ملزم کے کٹہرے میں، تخت اقتدار پر ہو یا کسی کے اقتدار کے تحت، استاذ ہو یا طالب علم، آقا ہو یا غلام، تجارت و کاروبار میں ہو یا اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں، رنج والم کی شام ہو یا مسرت وشادمانی کی صبح، فتح سے ہم کنار ہو یا شکست سے دوچار، وہ اولاد ہو یا ماں باپ، شوہر و بیوی ہو یا بھائی بہن ہو، مریض ہو یا معالج ہو، تیاردار ہو یا خود تیارداری کا محتاج، سرمایہ دار اور آجر ہو یا مزدور واجیر، قرض دہندہ ہو یا مقروض اور دولت مند ہو یا غریب، جوان ہو یا بوڑھا، سفر میں ہو یا حضر میں، عالم ہو یا جاہل، خدا کی توفیق سے نیک عمل اس نے کیے ہوں یا اس کا دامن عمل گناہ سے آلودہ ہو، غرض ہر موقعہ پر اور ہر حالت اور کیفیت میں اسے انبیاء کی پاکیزہ تعلیمات اور روشن ہدایات مطلوب ہیں۔

اس لیے یقیناً انسانیت پر اس کے خالق کا سب سے بڑا احسان انبیاء کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا نظام ہے، جو انسان اس سے محروم ہو وہ ایک کھاتا پیتا، سوتا جاگتا اور ہنستا بولتا ترقی یافتہ حیوان تو ہو سکتا ہے، لیکن حقیقی اور اپنی حقیقت سے آشنا انسان نہیں ہو سکتا!

نفس کا ایک دھوکہ

مولانا مناظر احسن گیلانی

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کا ناموسِ رسالت کے تعلق سے جذبات کے اظہار پر تبصرہ:

مولانا سید مناظر احسن گیلانی اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے درس کا ایک واقعہ سناتے ہیں: بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا، مشہور حدیث گزری کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے مال، بال بچے اور سارے انسانوں سے زیادہ میں اس کے لیے محبوب نہ ہو جاؤں۔

فقیر نے عرض کیا کہ ”بحمد اللہ عام مسلمان بھی سرکارِ کائنات کے متعلق محبت کی اس دولت سے سرفراز ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کر لیتا ہے، لیکن رسالت مآب کی ہلکی سی سبکی بھی مسلمانوں کو اس حد تک مشتعل کر دیتی ہے کہ ہوش حواس کھو بیٹھتے ہیں، آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جان پر لوگ کھیل گئے ہیں۔“

یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ہوتا بے شک یہی ہے جو تم نے کہا، لیکن کیوں ہوتا ہے؟! تہہ تک تمہاری نظر نہیں پہنچی، محبت کا اقتضاء یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے، لیکن عام مسلمانوں کا جو برتاؤ آنحضرت کی مرضیٔ مبارک کے ساتھ ہے وہ بھی ہمارے تمہارے سامنے ہے۔ پیغمبر نے ہم سے کیا چاہا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں؟! اس سے کون ناواقف ہے؟! پھر سبکی آپ کی جو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے، اس کی وجہ محبت تو نہیں ہوسکتی۔“

خاکسار نے عرض کیا کہ تو آپ ہی فرمائیں، اس کی صحیح وجہ کیا ہے؟ نفسیاتِ انسانی کے اس مبصرِ حاذق نے فرمایا کہ: سوچو گے تو درحقیقت آنحضرت کی سبکی میں اپنی سبکی کا غیر شعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے، مسلمانوں کی خودی اور انا مجروح ہوتی ہے۔ ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں تم اس کی اہانت نہیں کر سکتے۔

چوٹ درحقیقت اپنی اسی انانیت پر پڑتی ہے، لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کی محبت نے ان کو انتقام پر آمادہ کیا ہے۔ نفس کا یہ دھوکہ ہے۔ محبوب کی مرضی کی جسے پرواہ نہ ہو، اذان ہو رہی ہے اور لایعنی اور لاحاصل گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کر کے مؤذن کی پکار پر نہیں دوڑتا، اسے انصاف سے کام لینا چاہیے کہ محبت کا دعویٰ اس کے منہ پہ کس حد تک پھبتا ہے۔

(احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، ص ۱۵۳۔ ۱۵۴)

طہارت ونظافت: اسلام کا طرۂ امتیاز

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

طہارت ونظافت ایک مہتم بالشان عمل ہے، آدمی کے لیے باعثِ زیب وزینت ہے، ایک سلیم الطبع انسان کے لیے سرمایۂ عزوافتخار ہے، متمدن اور مہذب لوگوں کا شعار ہے، ترقی یافتہ اور زندہ دل قوموں کی پہچان ہے، اسلام اور مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ نفاست وپاکیزگی دل کو آسودگی وفرحت عطا کرتی ہے، ذہن کو تازگی وبالیدگی بخشتی ہے، قلب ودماغ کو معطر کرتی ہے۔ صفائی وستھرائی کا اہتمام کرنے سے انسان کو اُنس وسرور حاصل ہوتا ہے، دل جمعی ویکسوئی حاصل ہوتی ہے، ذہنی تشویش وپراگندگی دور ہوتی ہے، حفظانِ صحت میں معاون ومددگار ثابت ہوتی ہے۔

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پوری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہرسُو اندھیرے کی حکمرانی تھی، طہارت ونظافت سے بے اعتنائی ولاپرواہی تھی، بدن اور کپڑے کی صفائی کو معیوب خیال کیا جاتا تھا، غسل کرنے کو جرم سمجھا جاتا تھا۔ بوسیدہ، بدبودار اور میلے گندے کپڑوں میں رہنے کو لازم اور ضروری قرار دیا جاتا تھا، بغل اور ناف کے بالوں کو تراشنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں بعض نصرانی راہب اپنے جسم پہ لباس زیب تن نہیں کرتے تھے، اور قابلِ ستر اعضاء کو جسم کے غیر معمولی طور پر بڑھے ہوئے بالوں کے ذریعہ چھپاتے تھے۔ اَتھینس نامی راہب کا بیان ہے کہ اس نے زندگی بھر اپنے پیر نہیں دھوئے۔ ابراہام نامی راہب کہتا ہے کہ: میں نے پچاس سال تک اپنے چہرے اور پیر کو پانی سے تر نہیں کیا۔ اسکندریہ کے ایک راہب نے جب عیسائیوں کو غسل کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا تو کافی افسوس اور رنج وغم کا اظہار کیا، اور کہا کہ: کچھ عرصہ پہلے ہم چہرے پر پانی ڈالنا حرام خیال کرتے تھے۔ افسوس! آج ہم لوگ پورے جسم پر پانی بہا رہے ہیں۔ (**ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، ج:۱، ص:۱۵۱**)

مغرب کے لوگ اگرچہ اپنے کو مہذب اور متمدن بتاتے ہیں، متانت وسنجیدگی اور تہذیب وشائستگی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں؛ لیکن کچھ صدیوں پہلے ان کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ پاپائے روم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک پر جب کفر کا فتویٰ لگایا تو اس پر ایک بڑا الزام یہ تھا کہ وہ روزانہ غسل کرتا ہے۔ پاپائے روم روزانہ غسل کرنے والے عیسائیوں کو کافر قرار دیتا تھا، ایسے کافروں کو سزا دینے کے لیے پاپائے روم نے ۱۴۸۷ء میں ایک مذہبی عدالت قائم کی، اور روزانہ غسل کرنے کی پاداش میں پہلے ہی سال دو ہزار افراد کو زندہ جلا دیا گیا، اور ستر ہزار کو قید وبند کی سزائیں جھیلنی پڑیں۔

میلے کچیلے لباس پہننے کی وجہ سے جوؤں کی یہ کثرت تھی کہ جب برطانیہ کا پادری باہر نکلتا تو اس کی قباء پر سینکڑوں جوئیں

پھرتی نظر آتی تھیں۔ جب اندلس میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہوا، اور عیسائیوں نے زمامِ اقتدار سنبھال لی، توفلپ دوم نے تمام حمام بند کرنے کا فرمان جاری کیا، اور اس نے اشبیلیہ کے گورنر کو محض اس لیے معزول کر دیا کہ وہ روزانہ ہاتھ منہ دھوتا ہے۔

یہی کچھ حال ہندوازم کا بھی ہے۔ ہندو مذہب کے پیروکاروں کے یہاں طہارت وصفائی کا کوئی تصور نہیں ہے، ان کی مذہبی کتابوں میں نفاست و پاکیزگی کے طور طریقے بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ ہندو دھرم کے اندر انسان اپنے مزاج و مذاق کے مطابق حیوانوں کی سی زندگی گزار سکتا ہے۔ چند سال قبل ہندوستان کے سابق وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی کا یہ بیان ملک کے مشہور و معروف جرائد اور بڑے بڑے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ میں روزانہ صبح اپنا پیشاب پیتا ہوں۔ سکھوں کے یہاں سر ، مونڈھے اور زیر ناف کے بال تراشنے سے انسان مذہب سے خارج ہو جاتا ہے، ختنہ کرنا ان کے یہاں بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب طہارت وصفائی کی تعلیمات سے یکسر خالی ہیں؛ بلکہ ان مذاہب میں طہارت وصفائی کا اہتمام کرنے والا انسان قابلِ سزا سمجھا جاتا ہے۔ یہ مذہبِ اسلام کا ہی طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے نظافت وطہارت پر غیر معمولی توجہ دی ہے۔ گم گشتہ راہِ انسانیت کو اس سلسلہ میں اعلیٰ درس دیا ہے، بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس کے آداب اور طور طریقے بیان کیے ہیں، جن کو اختیار کرنے سے ایک سلیم الطبع انسان کو آسودگی اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، غیر معمولی فرحت وشادمانی حاصل ہوتی ہے، چہرے پر تازگی اور نورانیت محسوس ہوتی ہے۔

اسلام نے طہارت وصفائی کی بڑی تاکید کی ہے۔ آپ ﷺ پر جب دوسری مرتبہ وحی نازل ہوئی تو نبوت کی بھاری ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے جہاں دیگر ہدایتیں دی گئیں، وہیں ایک ہدایت یہ بھی دی گئی کہ ’’آپ اپنے کپڑے کو پاک وصاف رکھیے۔‘‘ (القرآن، المدثر: ۴) طہارت و پاکیزگی اللہ عز وجل کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں میں سے ہے۔ (القرآن، البقرۃ :۲۲۲) بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین استنجاء کے بعد ڈھیلا اور پانی دونوں استعمال کرتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی، اور قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: ’’فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔‘‘ (القرآن، التوبہ: ۱۰۸) ’’اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں، اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔‘‘

آپ ﷺ نے پاکی کو آدھا ایمان قرار دیا ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ تبارک وتعالیٰ صاف ستھرے ہیں، اور صفائی ستھرائی کو پسند فرماتے ہیں۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’تنظفوا بکل ما استطعتم، فإن اللہ تعالٰی بنی الإسلام علی النظافة، ولن یدخل الجنة إلا کلُ نظیف۔‘‘

’’اپنی وسعت وحیثیت کے بقدر پاک وصاف رہنے کا اہتمام کرو، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی بنیاد ہی نظافت پر رکھی ہے، اور جنت میں داخل ہی وہ شخص ہوگا جو پاک وصاف رہنے کا اہتمام کرتا ہو۔‘‘

نماز اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے، اس کی ادائیگی کے لیے بھی جسم، کپڑے اور جگہ کی طہارت کو شرط قرار دیا گیا ہے، پھر وضو

پروضو کی ترغیب، ریح خارج ہوتو وضو کا حکم، جسم کے کسی حصہ سے خون نکلے تو وضو کا حکم، ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کا حکم، وضو کے وقت مسواک کی ترغیب، کلی کرتے وقت غرغرہ کی ترغیب، ناک کی آلائش کو صاف کرنے کا حکم، جنابت لاحق ہونے کے بعد غسل کرنے کی تاکید، غسل میں ممکنہ حدتک پورے جسم پر پانی بہانے کا حکم، زائد مونچھوں کو تراشنے کا حکم، مونڈھے کے بالوں کو اُکھاڑنے کا حکم، زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا حکم، ہر ہفتہ ناخن کاٹنے کا حکم، استنجاء میں ڈھیلے اور پانی دونوں کو جمع کرنے کی ترغیب، بیت الخلاء میں جوتے پہن کر داخل ہونے کا حکم، پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کے لیے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم، قضائے حاجت کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ کر دھونے کا حکم، نیند سے بیدار ہونے کے بعد پانی استعمال کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

پانی اگر موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال سے ضررِ شدید لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم دیا گیا ہے، جس میں اگرچہ چہرہ اور ہاتھ گردوغبار سے کچھ نہ کچھ آلودہ ہوجاتے ہیں، تاہم نفسیاتی طور پر صفائی وستھرائی کا احساس باقی رہتا ہے، اور ذہنی طور پر انسان اپنے کو پاک وصاف سمجھتا ہے۔ یہ تمام باتیں ایک انسان کو طہارت وصفائی کے حوالہ سے حساس بناتے ہیں، اور انسان کو نفاست پسند، پاک باز، خوش منظر اور خوش جمال بناتے ہیں۔

احادیثِ شریفہ میں طہارت وصفائی کے بڑے فوائد بیان کیے گئے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ: ’’جو شخص پاکی کی حالت میں سوتا ہے‘ فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعاء کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، حدیث نمبر: ۱۱۴۴) ایک روایت میں ہے کہ: ’’جو شخص اپنے گھر، آنگن اور استعمال کی چیزوں کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرتا ہے تو اس سے فقر وتنگ دستی دور ہوتی ہے، اور غناو مال داری نصیب ہوتی ہے۔‘‘ (کنزالعمال، حدیث نمبر: ۲۵۹۹۹) ایک روایت میں آتا ہے کہ: ’’جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں جانے کا اہتمام کرے تو وہ نماز کی حالت میں شمار کیا جاتا ہے، جب تک کہ اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔‘‘ ایک حدیث میں آتا ہے کہ: ’’قیامت کے دن وضو کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ کے اعضاء خوب چمکدار اور روشن ہوں گے اور اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اُمت کو پہچانیں گے۔‘‘ (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۳۶)

طہارت ونظافت کا اہتمام نہ کرنے پر احادیث شریفہ میں بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’عام طور پر عذابِ قبر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے‘‘ (ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۴۸) ایک روایت میں آتا ہے کہ: ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، اور فرمایا کہ: ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے؛ کیوں کہ ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔‘‘ (بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۶) ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’جس گھر میں جنبی ناپاک شخص ہو، اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔‘‘ (ابوداود، حدیث نمبر: ۲۲۷)

اس کے علاوہ طہارت ونظافت کا اہتمام کرنے سے انسان کو طبی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، صفائی ستھرائی حفظانِ صحت میں معین ومددگار ثابت ہوتی ہے۔ نفاست وپاکیزگی کا اگر کوئی انسان التزام کرلے تو بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

شرعی اور طبی نقطۂ نظر سے جہاں ایک انسان کے لیے نفاست و پاکیزگی کا اہتمام ضروری اور ناگزیر ہے، وہیں عقلِ انسانی بھی نفاست و پاکیزگی کی متقاضی ہے۔ جو انسان طہارت وصفائی کا اہتمام کرتا ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، خوش اخلاقی اور ملنساری سے پیش آتے ہیں، مجلس میں آگے جگہ ملتی ہے، اس کے برعکس جو انسان گندہ رہتا ہے، میلے کچیلے لباس پہنتا ہے، اپنی وضع اور ہیئت کو خوش منظر نہیں بناتا ہے، تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں، اس کو دیکھ کر لوگوں کو انقباض اور تکدر ہوتا ہے، مجلس میں پیچھے جگہ ملتی ہے، معاشرہ کے اندر ایسے انسان کو عزت اور عظمت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

موجودہ دور میں مسلمانوں میں دین بیزاری اور احکامِ شریعت سے غفلت ولاپرواہی عام ہے، اسلام کی ساری تعلیمات وہدایات کو وہ فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں انگریزی تہذیب وکلچر کی جڑیں گہری ہو چکی ہیں۔ مسلم معاشرہ سے اسلامی اطوار وعادات ناپید اور عنقاء ہو گئے ہیں۔ طہارت ونظافت جو کبھی مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا، سرمایۂ عزو افتخار تھا، افسوس! آج مسلمان اس سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے بہت سے مسلمان بھائی طہارت ونظافت کے احکام سے ناآشنا اور نابلد ہیں، وضو اور غسل کے فرائض تک کا ان کو پتہ نہیں۔

نجاست وناپاکی کے ازالہ کا طریقہ کیا ہے، کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، استنجاء کے آداب کیا ہیں، جنابت کے احکام کیا ہیں، حیض ونفاس کے احکام کیا ہیں، اس جیسے روز مرہ پیش آنے والے عام مسائل کی نئی نسل کو خبر نہیں۔ یہ صورت حال کافی افسوسناک اور غم انگیز ہے۔ موجودہ زمانہ میں ضرورت ہے اس بات کی کہ نئی نسل کے سامنے طہارت وصفائی کی اہمیت اور عظمت کو اُجاگر کیا جائے۔ طہارت کے بنیادی احکام سے انہیں روشناس کرایا جائے۔ اسلامی تہذیب وثقافت سے محبت کا نقش ان کے دلوں میں بٹھایا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو حق بات سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متاثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔

قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

توہُّم پرستی کی حقیقت اور اَقسام

مفتی محمد راشد ڈسکوی

جس چیز کا حقیقت میں کوئی وجود نہ ہو، اس کا وجود؛ یا جس چیز میں خاص تاثیر نہ ہو، اس میں خاص تاثیر کا اعتقاد رکھنا توہم پرستی کہلاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر "توہم پرستی" کا مطلب خوف یا جہالت کی وجہ سے غیر عقلی عقائد پر یقین رکھنا ہے۔ جیسے: عوام الناس میں پتھروں اور ستاروں کے موثر ہونے کا اعتقاد مشہور ہے، اسی کو توہم پرستی کہتے ہیں۔

توہم پرستی کے نقصانات: توہم پرستی حق کے قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، وہ اس طرح کہ حق و باطل میں فرق کرنے والی چیز قرآن وحدیث کی تعلیمات ہیں، جب کہ توہم پرست آدمی مادی نفع کی چیزوں کو حق و باطل کے پرکھنے کا معیار بناتا ہے۔ لہٰذا جس چیز میں اسے نفع نظر آتا ہے، وہ اس کے نزدیک حق اور درست، اور جس چیز میں اُسے نقصان محسوس ہوتا ہے، وہ اس کے نزدیک باطل اور غلط ہوتی ہے۔ توہم پرستی اور بدشگونی جیسے عقائد کے حامل افراد کچھ چیزوں، واقعات یا علامات کو اپنے لیے مبارک گرداننے لگ جاتے ہیں اور کچھ کو نقصان دہ یا منحوس۔ توہم پرست لوگ منفی خیالات کا شکار ہو کر اپنی خوشیاں اور سکون برباد کر لیتے ہیں اور بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں۔

توہم پرستی کی وجوہات: اگرچہ اسلام میں توہم پرستی یا بدشگونی کی قطعاً گنجائش نہیں؛ مگر اس کے باوجود مسلمانوں کی کثیر تعداد اِس مرض کا شکار نظر آتی ہے۔ مسلمانوں میں توہم پرستی کی ایک وجہ تو کم علمی اور دینی اَحکام سے ناواقفیت ہے اور دوسری بڑی وجہ ایک لمبا زمانہ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایک ساتھ رہنا تھا، ہندوؤں میں توہم پرستی حد درجہ عام ہے، مثلاً * نومولود کو نظر بد سے بچانے کے لیے پیشانی پر کاجل (سرمہ) کا نشان لگانا۔ * شام کے وقت جھاڑو لگانے سے گریز کرنا کہ اس سے دولت کم ہوگی۔ * مرد کی دائیں اور عورت کی بائیں آنکھ پھڑکنے کو اچھی خبر کی آمد سے مشروط کرنا۔ * چارپائی پر بیٹھے ہوئے ٹانگیں لٹکی ہونے کی حالت میں ہلانے سے دولت کا ہاتھ سے نکل جانا۔ * پیاز یا چھری سرہانے رکھنے سے برے خوابوں سے نجات ملنا۔ * کالی بلّی کا راستہ کاٹنا۔ * ٹوٹے ہوئے آئینے میں چہرہ دیکھنا۔ * دودھ کا اُبل کر برتن سے باہر گر جانا۔ * مغرب کے بعد گھر کی ساری بتیاں جلا دینا، ورنہ بدروحیں آجانے کا ذہن رکھنا۔ * خالی قینچی چلانے سے قطع تعلقی ہو جانا۔ * کانچ کا ٹوٹنا۔ * بلی یا کتے کا رونا نحوست اور بے برکتی کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ * منڈیر پر کوا بیٹھا تو مہمان آنے کا خیال رکھنا۔ * چھینک آئی تو کوئی یاد کر رہا ہے۔ * دائیں ہاتھ میں خارش ہے تو دولت آئے گی، بائیں میں ہے تو جائے گی۔ * جھاڑو سیدھا کھڑا کرنا یا عصر بعد جھاڑو دینے کو نحوست خیال کرنا۔ وغیرہ ہندو معاشرے کے عام توہمات ہیں۔

موجودہ سائنسی دور میں بھی، جہاں ہر واقعہ اور نظریے کے دلائل اور حقائق تلاش کیے جاتے ہیں، دنیا کی مادی

اعتبار سے ترقی یافتہ اَقوام میں بھی توہم پرستی عام ہے۔ مثلاً* "اسپین" میں منگل کے دن مہینے کی ۱۳/تاریخ ہو تو اسے قومی طور پر بدقسمتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔* "چائنا" میں ۸/کا ہندسہ مبارک اور ۴ کا ہندسہ منحوس خیال کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کچھ لوگ عمارت کی چوتھی منزل تعمیر نہیں کرتے۔* "آئرلینڈ" میں دلہنیں اپنے لباس یا زیورات میں چھوٹی گھنٹی ضرور استعمال کرتی ہیں جسے خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔* "روس" میں خالی بالٹی کہیں لے جانے کو بُرا شگون سمجھا جاتا ہے۔* "فن لینڈ" کے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ اگر مکڑی کو مارا جائے تو اگلے دن بارش ہوگی۔* "پرتگال" کے لوگ سمجھتے ہیں کہ الٹا چلنے سے برائی ہمارا راستہ دیکھ لیتی ہے۔* "مصر" میں خالی قینچی چلانے کو بُرا سمجھا جاتا ہے؛ کیوں کہ اس سے ہوا میں موجود بدروحیں کٹ جاتی ہیں جس کے باعث ان کو غصہ آ جاتا ہے۔* "سوئٹزرلینڈ" اور "نیدرلینڈ" کے لوگ شادی کے بعد گھر کے باہر صنوبر کا درخت لگاتے ہیں کہ یہ ان کے ازدواجی تعلقات میں مضبوطی ڈالے گا۔* "برطانیہ" میں چیونٹیوں کی آمد بُرے موسم اور اُن کا قطار میں چلنا بارش ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔* "مغرب" میں سفید مرغی نظر آنا رحمت جب کہ سیاہ مرغی کو شیطان کی روح گمان کیا جاتا ہے۔

توہم پرستی کے عام ہونے میں میڈیا کا کردار: معاشرے میں جتنی زیادہ توہم پرستی عام ہے اس میں بہت بڑا کردار ہمارے میڈیا یعنی: ذرائع ابلاغ کا ہے، ذرائع ابلاغ (یعنی: میڈیا) میں اخبار، کتاب، رسائل وجرائد اور ٹیلی فون، موبائل، ٹیلیوژن، اور انٹرنیٹ وغیرہ سب کچھ شامل ہیں، میڈیا کے نشر کردہ بہت سے پروگرامز، بچوں کے لیے ڈراؤنے ڈرامے، فلمیں و کارٹونز، اور اسی طرح ڈراؤنی جن بھوتوں کی کہانیاں وغیرہ توہمات کو سچ ہوتا دکھا کر لوگوں کے ذہنوں میں بے معنی خیالات، یعنی: توہمات کو پختہ کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اخبارات، میگزین اور دیگر رسائل میں آپ کے ستارے کیا کہتے ہیں، یا آج کا دن کیسا گزرے گا، وغیرہ جیسی خرافات ایک تسلسل کے ساتھ دیکھنے کو ملتی ہیں، جسے تعلیم یافتہ طبقہ بھی بڑے تیقن اور دِل چسپی سے پڑھتا ہے؛ جب کہ اسلام ہمیں ایسا کچھ پوچھنے کے لیے نجومی کے پاس جانے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ آپ کبھی کچھ وقت نکال کر سرچ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان آسٹرولوجیکل فن کی بنیاد یونانی عقائد ہیں جو سیکڑوں خیالی فلسفوں پر مبنی ہیں، جن کا اِسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

توہمات سے متعلق شرعی اَحکام: دینِ اسلام میں توہمات کو سختی سے رد کیا گیا ہے، قبل اَز اِسلام بھی لوگ توہم پرستی کا شکار ہوتے تھے۔* عرب معاشرے کے لوگ بیٹی کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے۔* گھروں میں دروازے کے بجائے پچھلی دیوار توڑ کر داخل ہونے کو باعثِ برکت سمجھتے تھے۔* آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے دن سورج کو گرہن ہوا تھا، کچھ لوگوں نے وفات کی وجہ سورج گرہن کو سمجھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خیال کرنے سے منع فرما دیا۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ توہمات پر یقین رکھنا درحقیقت "تقدیر پر یقین" کا رد ہے۔ کوئی دن، پتھر، بشر، چرند پرند یا ستارے وغیرہ انسان کے نفع ونقصان کے خالق نہیں ہو سکتے سوائے اللہ کے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ" (النساء:۷۹) ترجمہ: "تجھے جو بھلائی (یا فائدہ) پہنچے وہ اللہ کی

طرف سے ہے، اور تجھے جو برائی (یا نقصان) پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے (یعنی: تیرے ہی شامت اعمال کے سبب) ہے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ مِنْ حَاجَةٍ فَقَدْ أَشْرَكَ"، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا كَفَّارَةُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: "أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ لاَ خَيْرَ إِلاَّ خَيْرُكَ وَلاَ طَيْرَ إِلاَّ طَيْرُكَ، وَلاَ إِلٰهَ غَيْرُكَ" (المسند لأحمد بن حنبل: ۵۰۴۵) مفہومی ترجمہ: بدفالی لینا جس شخص کو اُس کے کسی کام سے روک دے تو اُس نے شرک کیا، لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! (اگر کوئی ایسا کر بیٹھا ہے) تو اُس کا کفارہ کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ شخص اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ! آپ کی طرف سے پہنچنے والا خیر ہی اصل خیر ہے، اور آپ کی طرف سے پہنچنے والی بُرائی ہی بُرا شگون ہے، اور اے اللہ! آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے۔

"طیرۃ" بدشگونی اور بدفالی کو کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کے بارے میں بدگمانی اختیار کرے اور اس بدفالی کا تصور لے لے، زمانۂ جاہلیت میں اِس کا بڑا رواج تھا، لوگ معمولی باتوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے، اگر انھیں کہیں جانا ہوتا تو پرندہ کو اڑاتے اگر وہ دائیں جانب کو اڑتا ہوا جاتا تو اچھا سمجھتے اور اگر وہ بائیں رخ پر اڑتا تو اپنے سفر کرنے کو نامناسب تصور کر کے اُس سفر سے گریز کرتے، اسی طرح تیروں سے فال نکالتے اور خیر وشر کے فیصلے کرتے۔

حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دل میں کوئی براشگون پیدا ہو تو مذکورہ دعا پڑھ لینی چاہیے۔ علاوہ ازیں ایسی صورت میں درج ذیل دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ "اَللّٰهُمَّ لاَ يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلاَّ أَنْتَ وَلاَ يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلاَّ أَنْتَ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِكَ" (أبو داؤد: ۳۹۱۹)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں صفر کے مہینے اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرمادی اور علی الاعلان ارشاد فرمادیا: "لاَ عَدْوَى، وَلاَ طِيَرَةَ، وَلاَ هَامَةَ، وَلاَ صَفَرَ" (البخاري: ۵۷۰۷) کہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری کے دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ)، بدشگونی لینا، ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی (کا عقیدہ)، اور ماہِ صفر (میں نحوست کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، وَمَا مِنَّا إِلاَّ وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ" (ابوداؤد، ۳۹۱۵) مفہوم: "بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے ہر ایک کو (کوئی نہ کوئی وہم) ہوجاتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اسے دور کردیتا ہے"۔ بدشگونی کے معنی ہیں: بدفالی اور نحوست، اللہ کے علاوہ کسی چیز کو نفع اور نقصان میں موثر بالذات سمجھنا

شرک ہے؛ چونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بعض چیزوں اور اعمال سے بدفالی لیتے تھے اور اس کو نحوست میں موثر سمجھتے تھے؛ اس لیے احادیث میں بدشگونی کو شرک قرار دیا گیا ہے۔

توہم پستی جیسے برے خیالات سے بچنے والے کے لیے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ میری امت کے ستّر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرواتے، بدشگونی نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ عن ابن عباس أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: يَدْخُلُ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ"(البخاري: ۶۴۷۲)

توہمات کی اَقسام: ہمارے معاشرے میں مختلف اَفراد میں مختلف چیزوں کے بارے میں مختلف توہمات ونظریات قائم ہیں، اور اُنھیں حیاتِ انسانی میں بہت ہی زیادہ موثر سمجھا جاتا ہے؛ حالانکہ یہ شریعت کی تعلیمات کے سراسر متصادم ہیں، ہماری زندگیوں میں موثر ہونے والی چند چیزوں کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے: اَسباب کو ہی موثر حقیقی سمجھنا۔ انسانی طبقات اَسباب کے میدان میں دو انتہاؤں پر ہیں: ایک طبقہ اَسباب کا انکار ہی کر دیتا ہے اور اَسباب اختیار کرنے کو توکل کے منافی سمجھتا ہے، اور دوسرا طبقہ اَسباب کو ہی موثر حقیقی سمجھتے ہوئے یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے وہ اَسباب سے ہی ہو رہا ہے، اور اَسباب کے بغیر کچھ ممکن نہیں۔

پہلا طبقہ: (جس میں زیادہ تر دین سے وابستہ لوگ ہی نظر آتے ہیں) کم عقلی اور بے علمی کی وجہ سے یہ ذہن رکھتا ہے کہ محنت کرنے اور کمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو رزق دینے میں ہماری محنت کے محتاج نہیں ہیں، وہ ایسے بھی دینے پر قادر ہیں؛ لہٰذا ہمیں کچھ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم تو اَعمال کے ذریعے ہی اللہ سے لیں گے، اَسباب کے ذریعے نہیں۔ دوسری طرف؛ دوسرا طبقہ جو اَسباب کو ہی موثر حقیقی سمجھے ہوئے ہے، اور دین، ایمان ویقین اور اعمال کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتا، اور مادی محنت یعنی ظاہری اَسباب کو ہی اپنے ضروریات کے پورا ہونے اور اپنے مسائل کے حل کرنے میں موثر سمجھتا ہے، وہ بھی صرطِ مستقیم پر نہیں ہے، یہ بھی حدود سے تجاوز کرنے والا ہے؛ کیونکہ ظاہری اَسباب تو کسی بھی چیز کے حاصل ہونے کا فقط ایک ظاہری ذریعہ ہوتے ہیں، جیسے: گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے، وہ نل پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کے حصول میں اُن کا ذاتی کوئی دخل نہیں ہے۔

بالکل اسی طرح چیزوں کے حصول میں اصل موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو کسی ظاہری سبب کی محتاج نہیں ہے؛ چنانچہ وہ ذات بعض اَوقات بغیر اَسباب کے بھی کسی چیز کے وجود کا مشاہدہ کروا دیتی ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ عامۃ الناس کو توکل کے حصول کے لیے ظاہری اَسباب اور تدابیر کو چھوڑنا درست نہیں؛ بلکہ اسباب کے نتائج کو اسباب پر موقوف نہ سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنا، یہ توکل ہے۔ توکل کے دو درجے ہیں، اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اسباب کو چھوڑ کر اللہ پر مکمل اعتماد کیا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرے؛ لیکن نفع ونقصان کا یقین اللہ کی ذات پر رہے۔ پہلا

درجہ خواص کے لیے اور دوسرا عوام کے لیے ہے۔

اس بحث کے خلاصے کے طور پر اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ ایک ہے اَسباب کا اختیار کرنا اور اُنھیں استعمال کرنا اور ایک ہے اُن اَسباب کو دل میں اتارنا اور اُن پر ہی یقین رکھنا، پہلی چیز کو اپنانا محمود اور مطلوب ہے اور دوسری چیز کو اپنانا مذموم ہے۔ ہماری محنت کا رُخ یہ ہونا چاہیے کہ ہم اِن اَسباب کی محبت اور یقین کو دل سے نکالیں اور اس کے برعکس "یقین" اللہ تعالیٰ پر رکھیں کہ ہماری ہر طرح کی ضروریات پوری کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے، وہ چاہے تو اَسباب کے ذریعے ہماری حاجات وضروریات پوری کردے اور چاہے تو اِن اَسباب کے بغیر محض اپنی قدرت سے ہماری ضروریات وحاجات پوری کردے، وہ اس پر پوری طرح قادر اور خودمختار ہے؛ البتہ! ہم اِس "دارالاسباب" میں اَسباب اختیار کرنے کے پابند ہیں؛ تا کہ بوقتِ حاجت وضرورت ہماری نگاہ وتوجہ غیر اللہ کی طرف نہ اُٹھ جائے۔

اِس بات میں تو کوئی شک وشبہ ہے ہی نہیں کہ اللہ رب العزت ہماری محنتوں کے محتاج نہیں ہیں؛ لیکن کیا شریعت کا مزاج اور منشا بھی یہی ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں! بالخصوص جب کہ اس ترکِ اسباب کا نتیجہ یہ نکلتا ہو کہ بیوی، بچوں اور والدین کے حقوق تلف ہوتے ہوں اور یہ غیروں کے اَموال کی طرف حرص وہوس کے ساتھ دیکھتا رہے، تو یاد رکھیں! اس طرح کے لوگوں کو شریعت اس طرزِ عمل کی تعلیم نہیں دیتی؛ بلکہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہؓ تو حلال طریقے سے کسبِ معاش کی تعلیم دیتی ہے۔

اَسباب کی اَقسام: اَسباب کی تین قسمیں ہیں۔(۱) قطعی ویقینی اَسباب۔(۲) ظنی اَسباب۔(۳) وہمی اَسباب۔ ۱۔قطعی ویقینی اَسباب، وہ ہیں جن پر مسبَّب کا مرتب ہونا یقینی ہے، جیسے بھوک کے وقت کھانا کھانا، پیاس کے وقت پانی پینا، سردی سے تحفظ کے لیے گرم لباس پہننا، اِن اَسباب کا اختیار کرنا فرض ہے اور موت کا خوف ہو تو اِن کا ترک کرنا حرام ہے۔ اِن اَسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے؛ البتہ یہاں بھی یہ واضح ہے کہ اِن اَسباب کو اختیار تو لازمی کریں گے؛ لیکن اِن کے مؤثرِ حقیقی ہونے کا یقین رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

۲۔ظنی اَسباب، جیسے بیماریوں کی دوا، جائز دم اور تعویذ کہ حصولِ شفاء کے لیے انھیں ظنِ غالب کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اِن کا حکم یہ ہے کہ ہم جیسے کمزوروں کو اِن اَسباب کا ترک کرنا بھی درست نہیں؛ البتہ جو حضرات قوتِ ایمانی اور قوتِ توکل میں مضبوط ہوں اُن کے لیے اِن اَسباب کا ترک جائز ہے۔

۳۔وہمی اَسباب۔(یعنی جن کے اختیار کرنے میں شک ہو کہ مفید ہوں گے یا نہیں) حصولِ توکل کے لیے ان کا ترک کرنا لازمی ہے، گو بعض صورتوں میں اِن اَسباب کا اختیار کرنا جائز ہے، جیسے: مختلف قسم کے کڑے، منکے اور پتھر وغیرہ باندھنا۔

جھاڑ پھونک، دم درود اور تعویذ کا حکم: واضح رہے کہ جس طرح بیماری کی صورت میں دوائی کا استعمال جائز ہے، اسی طرح تعویذ اور دم بھی جائز ہے اور یہ محض ایک طریقۂ علاج ہے اور اس کے جواز پر اجماع ہے؛ البتہ تعویز اور دم کے لیے تین شرطوں کا پایا جانا لازمی ہے، اگر وہ تین شرطیں نہ ہوں تو پھر اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، وہ شرطیں یہ ہیں:

۱-تعویذات کے الفاظ قرآن کریم، یا احادیث سے لیے گئے ہوں یا اللہ کے اسماء وصفات میں سے ہوں۔ ۲-عربی زبان میں ہوں اور اگر کسی عجمی زبان میں ہوں تو اس کے الفاظ کے معانی معلوم ہوں۔ ۳-دم کرنے اور کرانے والا دونوں یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ دم اور تعویذ میں خود کوئی تاثیر نہیں، بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ دم اور تعویذ صرف سبب اور ذریعہ ہیں۔تعویذ کے جواز پر کئی احادیث شاہد ہیں۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ مسلم شریف کی شرح "تکملة فتح الملهم" (۴/ ۳۱۷، ۳۱۸) میں لکھتے ہیں: "دم کے بارے میں اصل یہ ہے کہ قرآن کریم، یا اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ، یا صفات مبارکہ پڑھ کر مریض پر دم کیا جائے اور یہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کئی احادیث سے ثابت ہے اور تعویذات لکھنا اور اس کو بچوں یا بیماروں کے گلے میں ڈالنا یا لکھ کر پانی میں گھول کر مریض کو پلانا، کئی صحابۂ کرام اور تابعین کرام سے ثابت ہے۔اور احادیث مبارکہ میں جن دموں اور تعویذات سے منع کیا گیا ہے، وہ مشرکین کے دم تھے، جن میں شیطان سے مدد لیا کرتے تھے اور وہ دم جن میں شرکیہ کلمات نہ ہوں، وہ جائز ہیں اور کئی احادیث سے ثابت ہیں اور یہی حال حرام "تمائم" (وہ ڈوری، جسے مشرکین مؤثر بالذات سمجھ کر بچوں کے گلے میں نظر بد سے بچانے کے لیے ڈالتے تھے) کا ہے اور ان حرام تمائم کا آیات قرآنیہ اور اسماء باری تعالیٰ پر مشتمل تعویذات سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تعویذات جمہور علمائے کرام کے نزدیک جائز ہیں۔اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی مرض کے لیے تعویذات کا استعمال اَسباب کے درجے میں جائز ہے، بشرطیکہ شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہوں اور اس کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔

مختلف پتھروں کو مؤثر حقیقی سمجھنا: بعض لوگ مختلف قسم کے پتھروں، جیسے: فیروزہ، زمرد اور یاقوت وغیرہ کو اپنی زندگی پر اثر انداز سمجھتے ہیں، اور ان پتھروں کی انگوٹھی بنا کر پہنتے بھی ہیں، تو شرعاً اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ستاروں اور سیاروں کو مؤثر حقیقی سمجھنا: بعض لوگ چاند، سورج، ستاروں اور مختلف سیاروں کو اپنی قسمت پر اثر انداز سمجھتے ہیں، اور ان کی گردش کے ذریعے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے نجومیوں کے پاس جاتے ہیں۔یہ بھی درست نہیں؛ کیونکہ علم نجوم، قیاسات، اندازے اور تخمینے پر مشتمل ہے، اس میں کوئی یقینی بات نہیں ہوتی، نیز احادیث میں نجومیوں کے پاس جانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً" (صحیح مسلم: ۲۲۳۰) جو شخص عراف (نجومی) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اُس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض اخبارات میں آج کا دن کیسا گزرے گا، یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟ اس طرح کے عنوان سے جو باتیں لکھی جاتی ہیں، شریعت میں اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین!

شکیل بن حنیف کا فتنہ قادیانیت کی نئی صورت

الیاس نعمانی

شکیل بن حنیف، دربھنگہ، بہار کے موضع عثمان پور کا رہنے والا ایک شخص ہے، جس نے چند برس قبل، جب کہ وہ دہلی میں تھا، مہدی ہونے اور پھر مہدی و مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور اس طرح ایک نئی قادیانیت کی داغ بیل ڈالی، اس نے پہلے دہلی کے مختلف محلوں میں اپنی مہدویت و مسیحیت کی تبلیغ کی؛ لیکن ہر جگہ سے اسے کچھ دنوں کے بعد ہٹنا پڑا، پہلے محلہ نبی کریم کو اس نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور پھر لکشمی نگر کے دو مختلف علاقوں میں یکے بعد دیگرے رہ کر اپنے مشن کو چلا، دہلی کے زمانۂ قیام میں اس نے بالخصوص ان سادہ لوح نوجوانوں کو اپنا نشانہ بنایا جو دہلی کے مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے؛ لیکن جیسے ہی لوگوں کو اس کی حرکتوں کی اطلاع ہوتی، وہ اس کے خلاف ایکشن لیتے اور اسے اپنا ٹھکانہ تبدیل کرنا پڑتا، بالآخر اسے دہلی سے ہٹنے کا فیصلہ کرنا پڑا، اور اس نے اپنی بود و باش مہاراشٹر کے ضلع اورنگ آباد میں اس طرح اختیار کر لی کہ 'کسی' نے اس کے لیے ایک پورا علاقہ خرید کر ایک نئی بستی بسادی، جس میں وہ اور اس کے "حواری" رہتے ہیں۔ ملک کے مختلف حصوں میں اس جھوٹے مہدی و مسیح کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ برسوں سے خاصی تیزی کے ساتھ جاری ہے، دہلی، بہار، مہاراشٹر و آندھرا پردیش وغیرہ میں اس کے فتنہ میں اچھی خاصی تعداد میں لوگ آچکے ہیں، اور الحمد للہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ لوگوں نے اس کے تعاقب کی فکر بھی شروع کر دی ہے۔

اس فتنہ کی دعوت اور اس کے داعیوں کا طریقۂ کار: ان لوگوں کا طریقۂ کار یہ ہے کہ یہ خفیہ طور پر کسی نوجوان سے رابطہ کرتے ہیں، یہ نوجوان عام طور پر کسی کالج یا یونیورسٹی کا ایسا طالب علم ہوتا ہے کہ جس کا کسی عالم، دینی جماعت یا دینی تنظیم سے کوئی رابطہ نہ ہو، یہ پہلے اس سے عام دینی گفتگوئیں کرتے ہیں، اور چونکہ اس فتنہ کے تمام داعی اپنا حلیہ ایسا بنائے پھرتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ہر شخص یہی محسوس کرے کہ یہ متبعِ سنت قسم کے دین دار نوجوان ہیں، مثلاً لمبی داڑھیاں رکھتے ہیں، لباس میں لمبے کرتے اور اونچی شلوار کا اہتمام کرتے ہیں، گفت گو میں بار بار **الحمد للہ، سبحان اللہ، ماشاء اللہ، ان شاء اللہ** اور ان جیسے دیگر الفاظ کی کثرت رکھتے ہیں؛ اس لیے وہ سادہ لوح اور ناواقف نوجوان ان سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتا ہے، اور انہیں بہت دین دار سمجھنے لگتا ہے، اپنی بابت یہ تاثر قائم کرنے کے بعد یہ اپنے مخاطب سے علاماتِ قیامت کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کا مصداق نئے انکشافات، نئی ایجادات اور معاصر دنیا کے بعض حالات و واقعات کو قرار دیتے ہیں، اس درمیان یہ بہت ہوشیاری کے ساتھ یہ کوشش بھی کرتے ہیں کہ اپنے مخاطب کے ذہن میں علماء کی تصویر ایسی بنا دیں کہ وہ ان کی کسی بات کی تصدیق علماء سے کرانے کی ضرورت نہ سمجھے، مثلاً یہ کہتے ہیں کہ علماء کو ان علامات قیامت کا کچھ علم نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ انھیں زمانۂ طالب علمی میں یہ حدیثیں پڑھائی ہی نہیں جاتیں، انھیں بس حدیث کی کتابوں کے چند منتخب ابواب پڑھا دیے جاتے ہیں،

جن کا تعلق نماز، روزہ جیسے مسائل سے ہوتا ہے؛ تاکہ یہ کسی مسجد کے امام یا کسی مدرسہ کے مدرس بن سکیں۔

انکا مخاطب جواب تک ان کے دین دار ہونے کا تاثر رکھتا ہے، یہ باتیں سن کر ان کو دین کا ایسا ماہر بھی سمجھنے لگتا ہے کہ جو علما سے زیادہ دین کو جاننے والا ہے، اور اب اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ یہ اسے جو بتادیں وہ اس پر یقین کرلے۔ اس کے بعد انھیں باور کراتے ہیں کہ دجال کی آمد ہوچکی ہے، وہ امریکا و فرانس کو دجال بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں جو یہ بتایا تھا کہ دجال کی پیشانی پر 'کافر' لکھا ہوگا اس سے آپ ﷺ کا اشارہ یہی دونوں ممالک تھے؛ اس لیے کہ جب ان دونوں کا نام ایک ساتھ لکھا جائے (امریکا فرانس) تو بیچ میں کافر لکھا ہوا ہوتا ہے، دجال کی ایک آنکھ ہونے کا مصداق وہ سیٹلائٹ کو قرار دیتے ہیں، بعض روایات میں دجال کے بارے میں ہے کہ وہ ایک گدھا ہوگا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد فائٹر پلین ہے، اور اسی طرح کی کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔

دجال کی بابت اپنی ایسی گفتگوؤں کے بعد داعیانِ شکیلیت یہ کہتے ہیں کہ دجال کی آمد کے بعد مہدی و مسیح کو آنا تھا، اور وہ آچکے ہیں، اور اب نجات کا بس یہی ایک ذریعہ ہے کہ ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں، اگر مخاطب بہت سادہ لوح ہوتا ہے اور یہ خواہش ظاہر کرتا ہے کہ مجھے بھی اس 'سفینۂ نجات' میں سوار ہونا ہے تو اسے (عام طور پر) پہلے صوبائی امیر کے پاس بھیجا جاتا ہے، مثلاً یوپی میں بنارس بھیج دیا جاتا ہے، جہاں بنارس ہندو یونیورسٹی میں زیر تعلیم ایک نوجوان سے اس کی ملاقات ہوتی ہے، یہ صاحب یوپی میں اس جھوٹے مہدی و مسیح کے مشن کے امیر بتائے جاتے ہیں، اور پھر کچھ دنوں کے بعد اورنگ آباد بھیج کر شکیل کے ہاتھ پر بیعت کرادی جاتی ہے؛ لیکن اس بات کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے کہ بیعت سے پہلے اس جھوٹے مہدی و مسیح کا اصلی نام سامنے نہ آئے، یہاں تک کہ لوگوں کے دریافت کرنے پر بھی یہ لوگ اس کا اصلی نام نہیں بتاتے ہیں؛ تاکہ اگر یہ شخص کہیں کسی سے تذکرہ کربھی دے تو بھی لوگوں کو معلوم نہ ہوپائے کہ یہ کس 'مسیح' کی دعوت دی جارہی ہے۔

ذیل کی سطروں میں دجال اور حضرت مہدی و حضرت عیسی علیہ السلام کی بابت صحیح احادیث میں بتائی گئی چند علامتوں کا تذکرہ کرکے شکیلی فتنہ کے دعووں کا جائزہ لیا جارہا ہے؛ تاکہ یہ بات بالکل واضح ہوجائے کہ شکیل بن حنیف جھوٹا ہے، حضرت مہدی و حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کو وہی نسبت ہے جو رات کو روزِ روشن سے۔

شکیلی دجال بمقابلہ حقیقی دجال: دجال کی بابت شکیلیوں کا دعوی اتنا بدیہی غلط ہے کہ کوئی بھی آدمی جسے اللہ نے عقلِ سلیم سے نوازا ہو انھیں صحیح مان ہی نہیں سکتا، اور اس لیے اس سلسلہ میں کسی تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے، لیکن پھر بھی اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دجال کی بابت جو کچھ بتایا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہی ہوگا، دو ممالک کا مجموعہ یا سیٹلائٹ یا فائٹر پلین نہیں، آپ ﷺ نے اس کا حلیہ بھی بالکل واضح طور پر بتادیا ہے، مثلاً بخاری کی ایک حدیث (۱۰۷، کتاب ذکر الانبیاء، باب قول اللّٰہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم) میں ہے کہ آپ کو خواب میں دجال دکھایا گیا، تو وہ ایک سرخ رنگ کا موٹا شخص تھا، اس کے بال گھنگھریالے تھے، داہنی آنکھ سے کانا تھا، یہاں تک کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ قبیلۂ خزاعہ کے ایک آدمی ابن قطن کے مشابہ تھا، ان واضح نشانیوں کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ

کوئی بھی عقل مند شخص یہ کہے کہ دجال ایک شخص نہ ہوکر دوممالک کا مجموعہ ہے، اوراس کی آنکھ سیٹلائٹ ہے۔

علاماتِ مہدی کی روشنی میں شکیل کا جائزہ: احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ دوالگ الگ شخصیات ہیں، جب کہ شکیل غلام احمد قادیانی کی طرح اس بات کا دعوے دار ہے کہ وہ بیک وقت مہدی بھی ہے اور مسیح بھی، ظاہر ہے کہ یہی ایک بات اس کے جھوٹے ہونے کے لیے کافی ہے۔

حضرت مہدی کی بابت رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں میں متعدد علامتیں بیان کی گئی ہیں، ذیل میں ہم ان میں سے چند کا تذکرہ کریں گے، اور پھر ان کی روشنی میں شکیل کا جائزہ لیں گے: ۱- رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا کہ حضرت مہدی کا نام محمد اوران کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، (ابوداود: ۴۲۸۲، کتاب المہدی) جب کہ شکیل، شکیل بن حنیف ہے، محمد بن عبداللہ نہیں۔ ۲- رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا تھا کہ مہدی آپ کی ہی نسل سے ہوں گے، اوران کا سلسلۂ نسب حضرت فاطمہؓ تک پہنچے گا، (ابوداود: ۴۲۸۴، کتاب المہدی)۔ جب کہ شکیل کا اس خاندان اور نسل سے کوئی تعلق نہیں، وہ تو ہندوستانی نسل کا ہی ہے۔ ۳- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی روشن پیشانی کے ہوں گے یعنی گورے رنگ کے ہوں گے، (ابوداود: ۴۲۸۵، کتاب المہدی)۔ جب کہ شکیل ایسا نہیں ہے۔ ۴- رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا تھا کہ ان سے پہلے دنیا بھر میں ظلم وناانصافی کا راج ہوگا، اور وہ ظلم کا خاتمہ کرکے دنیا میں عدل وانصاف کا بول بالا کردیں گے، (ابوداود: ۴۲۸۲، کتاب المہدی) جب کہ شکیل کے دعوائے مہدویت کو دس برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے، اوراس عرصہ میں دنیا میں ظلم وناانصافی بڑھی ہی ہے، کم نہیں ہوئی ہے۔

۵- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکمراں بھی ہوں گے، (ابوداود: ۴۲۸۵، کتاب المہدی)، اور شکیل حکمرانی کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ۶- احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ محمد بن عبداللہ مہدی کے منصب پر فائز ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ نو برس رہیں گے (ترمذی: ۲۲۳۲، ابواب الفتن، باب بعد باب ما جاء فی المہدی)، جن میں سے سات برس وہ حکومت فرمائیں گے، (ابوداود: ۴۲۸۵، کتاب المہدی) شکیل بن حنیف کے دعوائے مہدویت کو دس برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہے اور ابھی تک نہ اس کا انتقال ہوا ہے اور نہ اس کی حکومت قائم ہوئی ہے۔

شکیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کی بابت بھی قرآن اور حدیث میں کچھ ایسی واضح باتیں بتادی گئی ہیں کہ جن کو سامنے رکھ کر شکیل وقادیانی جیسے ہر جھوٹے کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے، ذیل میں ایسی ہی چند علامتیں درج کی جاتی ہیں: ۱- اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے سلسلہ میں آں حضرت ﷺ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے، اس سے یہ بات بالکل قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وہ وہی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہوں گے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے، اور جن کی والدہ حضرت مریم تھیں اور جو بغیر والد کے پیدا ہوئے تھے، صحیح بخاری وصحیح مسلم سمیت حدیث کی متعدد کتابوں میں ایسی کئی روایتیں پائی جاتی ہیں، جن میں قیامت کے قریب آپ کی آمد کا تذکرہ ہے اور آپ کا نام عیسیٰ بن مریم ہی لیا گیا ہے، ان میں سے چند روایتیں ابھی آپ پڑھیں گے۔

اور مہدی و عیسیٰ ہونے کا یہ دعوے دار شکیل بن حنیف ہے، ہندوستان کے ایک علاقہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ وہ عیسیٰ بن مریم نہیں ہے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے اور جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور جن کی والدہ کا نام مریم تھا۔ ۲-حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کے سلسلہ میں متعدد احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اتریں گے (ملاحظہ ہو: بخاری: ۲۲۲۲، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر،)؛ جب کہ یہ شکیل بن حنیف عثمان پور نامی ایک گاؤں میں اپنے والد حنیف کے یہاں پیدا ہوا ہے، آسمان سے نہیں اترا ہے۔ ۳- صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں ابن مریم انصاف پسند حکمراں بن کر ضرور نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے (یعنی آپ کی آمد کے بعد سارے عیسائی مسلمان ہوجائیں گے، اور صلیب کی عبادت ختم ہوجائے گی)، خنزیر (کی نسل) کو قتل کردیں گے، اور مال و دولت کی ایسی فراوانی ہوگی کہ کوئی صدقات قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ (بخاری: ۲۲۲۲، کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر، مسلم: ۱۵۵/ ۶ ۷ ۲۴، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ بن مریم)۔

اب ذرا اس حدیث کی روشنی میں شکیل کا جائزہ لیجیے، وہ نہ اب تک حکمراں بنا ہے اور نہ حکمرانی کا کوئی ارادہ رکھتا ہے، وہ تو اورنگ آباد، مہاراشٹر کے پاس کی ایک بستی میں چھپا بیٹھا ہے، اور وہاں سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا، اور اس نے نہ کبھی کوئی صلیب توڑی ہے اور نہ کسی عیسائی نے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے، نہ خنزیروں کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے آنے کے بعد دنیا میں مال و دولت کی فراوانی ہوئی ہے اور نہ غربت کا خاتمہ ہوا ہے کہ صدقات لینے والا کوئی نہ ملے۔ ۴-قرآن مجید میں سورہ نساء کی آیت (۱۵۹) میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے تمام اہلِ کتاب (یہودی و عیسائی) مسلمان ہوجائیں گے: "وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ" اور شکیل کے ہاتھ پر اب تک ایک بھی عیسائی اسلام نہیں لایا۔ ان کے علاوہ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت اور بھی علامتیں یا پیشین گوئیاں حدیث کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں؛ لیکن قرآن و صحیح احادیث میں مذکور یہی چار علامتیں شکیل کے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں، اس مختصر سے مضمون میں مزید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

اس فتنہ کا مقابلہ کیسے ہو؟ یہ فتنہ چونکہ بہت راز داری کے ساتھ پھیلایا جارہا ہے؛ اس لیے عام طور پر جب کسی علاقہ کے خادمانِ دین کو اپنے علاقے کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں اس فتنہ کے داعی سرگرم ہیں، تو اس وقت تک بہت تاخیر ہوچکی ہوتی ہے اور کئی نوجوان اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی علاقہ میں اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ جب ہمارے یہاں فتنہ کی آمد کی خبر ملے گی تو پھر فکر کریں گے؛ اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ کسی علاقہ میں یہ سرگرم ہو اور ہمیں اس کی خبر نہ ہو، صورتِ حال کی خطرناکی کا اس سے اندازہ کیجیے کہ جن علاقوں کے سلسلے میں یہ اطمینان تھا کہ یہاں یہ فتنہ موجود نہیں ہے، وہاں کے ائمہ مساجد نے بھی جب اپنی مسجدوں میں اس مسئلہ پر گفتگو کی تو کچھ نوجوانوں نے ان میں سے کچھ ائمہ کو بتایا کہ اس طرح کے لوگوں نے ہم سے بھی رابطہ کیا ہے؛ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی بھی علاقہ کے سلسلہ میں اطمینان نہ کیا جائے، اور پہلے سے ہی عوام کو اس فتنہ سے آگاہ کیا جائے؛ تاکہ اگر یہ فتنہ آپ کے علاقہ میں نہ پہنچا ہو تو اس کی آمد کو روکا جاسکے، اور اگر خدانخواستہ پہنچ گیا ہو تو اس کا ازالہ کیا جاسکے۔

اسلام کا تصورِ تفریح اور موجودہ معاشرہ

مولانا سفیان علی فاروقی

ہمارے معاشرے میں تعلیم وتربیت کی کمی کی وجہ سے بہت سے معاملات میں غلط فہمیاں اور اُلجھنیں پیدا ہو چکی ہیں، جن میں سے ایک اہم بات ''اسلام کا تصورِ تفریح'' بھی ہے، لوگوں کے ذہنوں میں آج کل جو اسلام کا عمومی تصور پایا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام صرف عبادات کا دین ہے اور یہ فرد کا انفرادی مسئلہ ہے، اس کا معاشرتی، حکومتی اور تفریحی پہلو اب قابلِ عمل نہیں رہا۔ تاریخ کی یہ سب سے بڑی غلط فہمی نا صرف مسلم قوم کے لیے زہرِ قاتل بنی، بلکہ دیگر اقوام کے معاشرتی و اخلاقی پہلو بھی تشنگی کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں۔

بلاشبہ ''تفریح'' انسانی شخصیت کے بنانے اور بگاڑنے کا بہت اہم ذریعہ ہے اور صحیح و بامقصد تفریح بغیر کسی عمر کی قید کے انسان کی بہتر نشو ونما کی ضامن ہے اور بے مقصد و غلط تفریح اخلاقیات کے مقتل تک پہنچا کر سانس لیتی ہے، معاشرے اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں اور نوجوان نسل بے راہ روی کی دلدل میں دھنستی چلی جاتی ہے۔

یہی وہ اسلامی نقطہ نظر ہے جس پر نام نہاد عقلمندوں، مادر پدر آزاد ذہنوں، احترامِ انسانیت کی چادر تار تار کرتے روشن خیالوں کو دن رات کھٹکتا ہے کہ بھلا تفریحِ طبع کی بھی کوئی حد ہو سکتی ہے؟ تفریح کے لیے فن کا اظہار جس طرح مرضی کیا جائے، کوئی حرج نہیں اور تفریحِ طبع کو من مرضی کے مطابق کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ وغیرہ، وغیرہ۔

مگر اسلام بامقصد تفریح کی اجازت دیتا ہے، وقت کے ضیاع اور اخلاقیات کی بربادی کرنے والی تفریحات کی سخت ممانعت کرتا ہے۔ اسلام میں اخلاقی اور شرعی حدود کو توڑنے والا جو بھی طریقہ تفریح ہے وہ ناجائز ہے، جیسے کسی کا ازراہِ مزاح استہزاء کرنا، کسی کے بارے میں محض لذتِ زبان کے لیے جھوٹ بولنا اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے تفریح کو اختیار کرنا سخت معیوب ہے، البتہ اعتدال وتوازن برقرار رکھتے ہوئے صحت مند تفریح کی نا صرف اسلام میں اجازت ہے، بلکہ اسلام صحت مند تفریح کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی بھی کرتا ہے۔

اسلام میں خوشی کے اظہار کے لیے اکٹھا ہونا، نئے کپڑے پہننا، اچھے اچھے پکوان بنانا، کھیل کود کرنا سب ٹھیک ہے، مگر اخلاقی و شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے مثلاً شادی کا موقع خاندان کی خوشی وتفریح کا ایک بہترین ذریعہ ہے، مگر اس تفریح میں اسلام کہتا ہے کہ چند چیزوں کا لازمی خیال رکھا جائے:

مثلاً شرعی حدود کی پابندی یعنی آپ اپنی خوشی کو ہمسائیوں، پڑوسیوں، اہلِ محلہ کے لیے باعثِ مصیبت نا بنائیں،

حقوق اللہ کا خیال رکھیں، یعنی جس پروردگار کی عطا کردہ خوشی کو آپ منا رہے ہیں، اس کے احکامات کی پاسداری کریں، شعائر اللہ کی پاسداری کریں، اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کریں، لیکن نام ونمود کے لیے، کسی کو نیچا دکھانے کے لیے، کسی کو کمتر باور کرانے کے لیے اور اپنے اعزہ واقارب کی آنکھوں میں حسرتیں بکھیرنے کے لیے بالکل بھی اجازت نہیں ہے، بلکہ ایسے اعمال اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جدید دور میں مغرب سے جو تفریحی تصور مشرقی اقدار کا جنازہ نکال رہا ہے، وہ ''جنسی تفریح و تسکین'' کے گرد گھومتا ہے۔ تفریحی پروگرامز، ناچ گانا، ڈرامے اور فلموں وغیرہ میں ناظرین کی جنسی تفریح وتسکین کو لازمی جزو بنا دیا گیا ہے، جو کہ بعد میں معاشرتی واخلاقی بگاڑ کا بہت بڑا ذریعہ بنتا ہے۔ اخلاق باختہ مارننگ شوز، بدتہذیب ٹاک شوز، معاشرتی اقدار کا جنازہ نکالتے ڈرامے اور فلمیں، ماڈرن ازم کی نظر ہوتی تشہیری مشہوریاں قوم کے معماروں کے ذہنوں کو پراگندہ کر رہی ہیں۔

اب آتے ہیں اسلام کے تصورِ تفریح کی طرف جو کہ تفریح کو خوش طبعی کے ساتھ ساتھ فلاحِ انسانی کے لیے ایک معاون کے طور پر اپناتا ہے۔

اسلام کے تفریحی اصول وحدود:

۱: مقصدیت: اسلام کہتا ہے کہ تفریح نہایت دلچسپ و مزیدار سرگرمی ہے، بشرطیکہ بہتر و بامقصد ہو، محض وقت کے ضیاع کے لیے یا نفسانی خواہش کے لیے تفریح کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور احادیث میں بیان کیا گیا اور دنیا کی سیر، میاں بیوی کو ایک دوسرے سے حاصل ہونے والی فرحت وخوشی، مختلف قوموں کے احوال وواقعات، گھوڑ سواری، تیراندازی، دوڑ، وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲: حرمت: مضرِ انسانیت کھیل جن میں انسانیت کا احترام اور وقار مجروح ہوتا ہو، اسلام اس کی سخت ممانعت کرتا ہے، جیسے بھوکے جانوروں اور انسانوں کا مقابلہ، کسی کی عزت کو اُچھالنا، خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کا استہزاء کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ عورتوں کے مخصوص کھیل مردوں کے لیے اور مردوں کے مخصوص کھیل عورتوں کے لیے ممنوع ہیں، ان سے دونوں کا وقار مجروح ہوتا ہے، مگر چند ایک کی اجازت ہے۔

اسی طرح اسلام میں کھیل کے دوران لباس کی بہت اہمیت ہے، ایسا لباس جو مرد و خواتین کے مخفی اعضاء کے نمایاں ہونے کا سبب ہیں ان کی بالکل بھی اجازت نہیں ہے، کیونکہ کھیل کسی کی حرمت کے ظہور کے لیے نہیں ہونا چاہیے اور جو کھیل شارحِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیئے، مثلاً: شطرنج، جوا، جانور لڑانا وغیرہ، وہ بھی حرام ہیں، اسی طرح وہ تفریحی مشاغل جو ایمان ودین میں کمی کا باعث بنیں یا جن سے قوم وملت کو فائدہ نہ ہو یا کسی کی بھی ضرر رسانی کا باعث ہوں، اسلام ان کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

قرآن پاک کی سورۂ حجرات میں ہے کہ: ''اے ایمان والو! نہ مَردوں کو مَردوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔''

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

۳: حدود ِاوقات کی پابندی: اسلام کہتا ہے کہ تفریح بے وقت اور بے قاعدہ نہیں ہونی چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے نیند کو ناپسند کرتے تھے اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے۔'' (البخاری)

رات کو اللہ پاک نے آرام کے لیے بنایا ہے اور دن کو باقی سرگرمیوں کے لیے اور آج ہم فطرت کے اصولوں کے خلاف چلنے میں زندگی کی ترقی اور خوشی ڈھونڈ رہے ہیں۔ تفریح کرنی چاہیے، لازم اور ہر روز کرنی چاہیے، اگر صحت مند تفریح نہی ہوگی تو آپ اپنے حقوق و فرائض بحسن و خوبی انجام نہیں دے سکتے، مگر اخلاقی، گھریلو، سماجی اور مذہبی خدمات کے اوقات کو کھیل کود میں لگانا سخت نااہلی کا ثبوت ہے۔

ایک ضروری بات یہ کہ تفریحی مشاغل میں فضول خرچی کی بھی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا، بلکہ فضول خرچ کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

۴: حقوق اللہ و حقوق العباد سے متصادم نہ ہو: اسلام کہتا ہے کہ کھیل سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حرج واقع نہ ہو، بلکہ حقوق و فرائض میں معاون ثابت ہو، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ: ''ہر وہ چیز جس سے ابن آدم غفلت میں پڑے وہ باطل ہے۔'' (ترمذی)

یہ چند ایک مثالیں ذکر کی ہیں، ورنہ اسلام دیگر شعبوں کی طرح تفریح میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے، اسے بہتر اور بامقصد بنانے کے لیے احکامات جاری کرتا ہے اور اسلام کہتا ہے کہ ایک صحت مند جسم ایک صحت مند دماغ کا ذریعہ بنتا ہے اور ایک صحت مند دماغ ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد بنتا ہے۔

اور اسلام کہتا ہے کہ تندرست، توانا، چاک و چوبند مسلمان ایک بیمار، لاغر اور کمزور مسلمان سے بہتر ہے، اگر وہ اسلامی احکامات کی پابندی کرنے والا ہے۔

عصرِ حاضر اور بچوں کی
ابتدائی تعلیم وتربیت

(دوسری وآخری قسط) ڈاکٹر ساجد خاکوانی

ابتدائی تعلیم میں اس حدتک تربیت بھی شامل ہے کہ اسے عقیدہ پر یقین کرنے کے لیے کسی دلیل کی طرف دھکیلنے سے احتراز کیا جائے، اسے صرف یہ معلوم ہو کہ معلم یا معلمہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اسے ازبر کرنے ہیں، کیوں کہ یہ سو فیصد سچے ہیں۔ دلائل اول تو اس کی خالی ذہنی سطح سے بالاتر ہوں گے اور پھر اسے ہر بات دلائل کے ساتھ ہی ماننے کی عادت پڑ جائے گی اور اساتذہ کے لیے ایسے بچے کو ترسیلِ تعلیم مشکل میں ڈالے رکھے گی، پس اسے ''سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا'' کا خوگر ہونا چاہیے، تاکہ فرماں برداری اس کے خالی ذہن میں سرایت کر جائے۔

بنیادی تعلیم کی چوتھی بنیاد: مشاہدہ کے مطابق عقیدہ کے ساتھ اچھے اخلاق اسے عملاً سکھائے جائیں گے، تاکہ پہلے وہ اچھی طرح دیکھ لے اور پھر اسے اپنی شخصیت میں جذب کر لے، یہ ایک طرح سے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہے، مثلاً صفائی کی تعلیم دی جائے گی کہ کوڑا کرکٹ ایک خاص جگہ پر پھینکا جائے، اپنے ہاتھ، منہ، دانت، کپڑے، جوتے، کتب، کھلونے اور اٹھنے بیٹھنے کے مقامات مٹی سے پاک ہوں۔

کھانے کے آداب سکھائے جائیں کہ سب مل جل کر ایک برتن میں کھاتے ہیں، پہلے دوسروں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں، دائیں ہاتھ سے لقمہ توڑتے ہیں، اپنے سامنے سے کھایا جاتا ہے، آخر میں برتن صاف کرتے ہیں، خواہ انگلی سے ہی کرنا پڑے، برتن واپس اپنی جگہ پر رکھتے ہیں، کھانے سے پہلے، درمیان اور آخر میں پڑھی جانے والی دعائیں اور اکل و شرب کے دیگر مسنون طریقے ان کی تربیت کا حصہ ہوں۔ بنیادی تعلیم کے باقی عناصر خمسہ خود شناسی، خدا شناسی، حفظ، بنیادی اخلاقیات ومبادیاتِ لسان وحسابیات اور تقابلات کو باہم جدا نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ تعلیم ایک ہمہ گیر عمل ہے، جس میں یہ کل عناصر مل کر ایک نظام کو متحرک رکھتے ہیں، چناں چہ صبوحی دعاء میں انہیں ایک بچے کی پیروی میں اپنے روز کے اسباق دہرانے ہوتے ہیں، یہاں ان بچوں کو ادب واحترام اور اطاعت کیشی کا درس ملتا ہے، ایک بچہ تلاوت کرتا ہے، باقی سب سر نیچے کیے، ہاتھ باندھے صرف سنتے ہیں۔ ایک بچہ نعت سناتا ہے، باقی سب ہمہ تن گوش ہو کر خاموش رہتے ہیں اور صرف سماعت کرتے ہیں۔ پھر کلامِ اقبال سے لب پہ آتی ہے دعا پڑھائی جاتی ہے، تین بچے پڑھتے ہیں اور ان کی متابعت میں سب بچے اسی مصرعے کو دہراتے ہیں، اس کے بعد جملہ صبوحی اسباق بھی اسی طرح اطاعت کیشی کے درس کے ساتھ یاد کرائے جاتے ہیں،

جن میں قومی ترانہ بھی شامل ہوتا ہے۔

سب بچوں کو باری باری آگے لاکر موقع فراہم کرنا چاہیے کہ وہ دوسرے بچوں کو یاد کرائیں۔ اس چھوٹی سی عمر میں اور ابتدائی تعلیم میں زبانی یاد کرانا بہت آسان ہوتا ہے، کیوں کہ کوئی بھی سبق متعدد بار دہرانے سے ابتدائی تعلیم کی اس عمر میں بچے کی خالی تختی پر نقش ہوجاتا ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچے کو نماز یاد کرادینی چاہیے، اسی طرح قرآن مجید کی آخری سورتیں اور کچھ زیادہ فضیلت کی بڑی سورتیں بھی بچے بآسانی یاد کرلیتے ہیں۔ بعض ابتدائی تعلیم کے ادارے پورا قرآن مجید بھی حفظ کرادیتے ہیں۔

قرآن مجید کے حفظ سے دماغ اپنی استعداد سے بڑھ کر کام کرنے لگتا ہے اور اگلے تعلیمی مرحلوں میں حفاظ بچے باقی بچوں کی نسبت زیادہ سرعت سے اسباق کو ہضم کرپاتے ہیں اور روحانی برکات اس کے سوا ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے ابتدائی مرحلے صرف زبانی یاد کی حدتک یا سمعی و بصری تعلیم کی حدتک ہی ہونے چاہییں، بعد کے مراحل میں انہیں ابتدائی خواندگی کی طرف لے جایا جائے گا، جس میں حروف کی پہچان، جوڑ توڑ اور معمولی حساب بھی شامل ہے۔ مقابلے کی فضا ابتدائی تعلیم میں بہت اچھے نتائج سامنے لاتی ہے۔ نصابی و ہم نصابی سرگرمیوں میں جب ہم جولیوں سے مقابلہ درپیش ہو تو جیتنے کا جذبہ بچے کو اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لانے میں مددگار و مہمیز ثابت ہوتا ہے۔

یہاں ایک امر قابلِ غور ہے کہ اس چھوٹی اور معصوم عمر میں شکست کے بھی بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو شخصیت میں منفی رجحانات پیدا کرنے میں دیر نہیں لگاتے، چناں چہ مدرسے کی انتظامیہ کو بہت دقیق نظر سے دیکھنا ہوگا کہ سو فیصد بچے کام یابی کا تمغہ سینے پر سجائے گھروں کو سدھاریں۔ اس کا بہت آسان طریقہ ہے، پہلے نصابی سرگرمیوں میں کام یابیاں فراہم کی جائیں۔ بصورت دیگر انتظامیہ اپنی طرف سے اطاعت وفرماں برداری، باقاعدگی، حسنِ لباس، ادب و احترام، پابندیِ وقت، صفائی یا کسی بھی اور اخلاقی فضیلت کو معیار بنا کر اسے اعتماد فراہم کردے اور یوں سب نونہال مدرسہ سے نہال ہوکر گھروں کو لوٹیں اور اپنے والدین کو اپنی کام یابی کی داستانیں سناتے ہوئے اگلے دن ذوق وشوق سے بھاگتے ہوئے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرہ جماعت میں داخل ہوں۔

بنیادی تعلیم کی کام یابی کا ایک ہی پیمانہ ہے کہ بچہ اگلے مرحلہ تعلیم میں اپنے شوق سے داخل ہو اور وہ اپنی نئی کتب کا منتظر ہو، اپنے نئے اساتذہ سے مسرتِ ملاقات اس کے رویے سے ہویدا ہو اور اس کے خواب نئی عمارت اور بڑے بڑے کھیل کے میدانوں کی تعبیر سے آراستہ ہوں، اس کے لیے کسی طرح کے تحریری، تقریری، زبانی یا نمائشی امتحانات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، بہت چھوٹی عمر میں اور خاص طور پر بنیادی تعلیم کے دورانیے میں امتحانات کا انعقاد بچوں میں تعلیم کے لیے نفرت، دوری، بے رغبتی اور عدم اشتیاق کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ بنیادی تعلیم کی یہ عمر ماحول سے حاصل کیے گئے اثرات کے سو فیصد انطباق کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

اگر کہیں مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کلی یا جزوی ناکامی مشاہدے میں آتی ہے تو انتظامیہ، اساتذہ، نصاب اور ماحول کو تبدیل کرنے یا ان میں بہتری لانے کی ضرورت ہے، بچے اس سے کلیتاً مبرا ہیں۔ سو فیصد بچوں کو جو دورانیہ تعلیم مکمل کر چکے ہوں انہیں بلاتخصیص و تمیز اگلے مرحلوں میں بڑھا دینا ہی تعلیمی کارکردگی میں بہتری کی ضمانت ہوگی، جو ان میں اعتماد اور شوق اور مزید آگے بڑھنے کا جذبہ بھی پیدا کرے گی۔ تاہم اگر کچھ بچے دورانیہ تعلیم کے درمیان میں داخل ہوئے ہوں اور وہ باقی ہم جماعت ساتھیوں سے اپنے اسباق میں ابھی پیچھے ہوں تو اساتذہ کرام سے مشاورت کے نتیجے میں انہیں حالیہ درجے میں ہی روک لینا قرینِ قیاس ہوگا، تاکہ ان کی بنیاد میں پختگی لائی جاسکے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس ٹھہراؤ کو اپنی ناکامی پر محمول نہ کریں اور بخوشی اس فیصلے کو قبول کرلیں۔

تعلیم پیشہ نہیں ہے، بلکہ شیوہ اور انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے جو اپنی قوموں سے کہا کرتے تھے کہ: ﴿وَ مَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ (الشعراء:145) [اور میں تم سے اس پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔] لیکن دورِ غلامی سے سیکولرازم کے باعث نہ صرف یہ کہ ایک پیشہ بن گیا ہے، بلکہ بنیادی تعلیم کی حد تک یہ ایک مکروہ دھندا بن گیا ہے۔ سیکولرازم کی پروردہ کاروباری ذہنیت سرمایہ دارانہ رویوں نے بنیادی تعلیم کی اقدار کو بری طرح پامال کر دیا ہے، یہاں تک کہ اب بچے بچے نہیں رہے، بلکہ گاہک بن گئے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے ادارے کاروباری مراکز اور دھن دولت جمع کرنے والے کارخانے بن گئے ہیں۔ صرف تعلیم ہی نہیں، بلکہ تفریح کے دوران کے کھانے، صاف پانی، کتب، تحریری مواد، ملبوس، ذرائع نقل و حمل اور یہاں تک کہ بال کاٹنے کا عمل بھی منافع بخش بنا لیے گئے ہیں اور ان ذرائع سے پیداگیری کی جاتی ہے۔ مقابلے کے اس رجحان نے جہاں معیارِ تعلیم کا بیڑا غرق کر دیا ہے، وہاں معیارِ اخلاق بھی گہنا گیا ہے اور مقامی معاشرتی روایات اور تہذیب و تمدن بھی دم توڑ رہے ہیں۔

ان سب پر مستزاد بدیسی ذریعہ تعلیم ہے، جس نے زوال کی رہی کسر بھی پوری کر دی ہے اور پورا نظام تعلیم اس وقت صرف ایک ہلکے سے دھکے کا منتظر ہے جو اسے دھڑام سے گرا دے۔ والدین کو خوش کرنے کے لیے نجی تعلیمی ادارے سب بچوں کو ٪99 شرح کامیابی سے نواز دیتے ہیں اور رقم بٹورنے کے لیے سارا سال امتحانات پر امتحانات منعقد ہوتے ہیں اور نتائج کی تقریبات کے نام پر بے ہودگی اور بدتمیزی کی بڑھ چڑھ کر نمائش کی جاتی ہے اور یوں جھوٹ، دھوکے اور فریب کو دکھاوے اور نمائش کے ذریعے اپنی کامیابی بنا کر پیش کیا جاتا ہے، تاکہ کاروبار کے حجم کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جاسکے۔

لیکن مایوسی اس لیے نہیں ہے کہ معاشرے کا صالح عنصر بھی بیدار مغز قیادت کے ساتھ میدان میں موجود ہے اور بہت کم سہی، لیکن سرعت سے ترقی پذیر مثالی تعلیمی ادارے بھی قائم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

فقہ وفتاویٰ

ادارہ

ایپ سے پیسے کمانا

سوال......ایک ایپ ہے جس کا نام (Usdton) ہے، سب سے پہلے اس میں مثلاً سوڈالر جمع کیے جاتے ہیں، تو وہ اس پر کاروبار کرتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ کون سا کاروبار کرتے ہیں اور پھر ہر دن کے اعتبار سے ان کو اس کا 5٪ فیصد دیتے ہیں اور یہ سلسلہ تقریباً چھ ماہ تک مسلسل چلتا رہتا ہے، پھر چھ مہینے مکمل ہونے کے بعد یہ سلسلہ مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے اور ابتداء میں جمع کی ہوئی رقم بھی واپس نہیں کی جاتی ہے، اب اگر یہ معاملہ آگے مزید چلانا ہو، تو اور رقم جمع کرانی پڑتی ہے اور اس میں یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ کسی بھی وقت یہ ایپ بند ہوسکتی ہے اور جو رقم جمع کی ہوئی ہے، اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے اور ساتھ میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس ایپ میں اپنے ساتھ چند متعین افراد کو تیار کرکے اس میں شامل کرے، تو شامل کرنے والے کو ہر مہینے 14٪ فیصد کمیشن بھی دیا جاتا ہے اور یہ تمام کاروائی نیٹ ورک کے ذریعے ہوتی ہے اس میں وقت بھی لگتا ہے۔

اسی طرح کی ایک اور ایپ ہے، جس کا نام Wdc ہے، اس کے تمام تر معاملات پہلی والی ایپ کی طرح ہیں، فرق اتنا ہے کہ پہلے والی ایپ میں ہر دن کے اعتبار سے جو رقم دی جاتی ہے وہ متعین تھی اور اس ایپ میں غیر متعین ہے اور جو رقم اس سے کمائی ہے، اس کا حکم بھی بتادیں، تو میں آپ کا ممنون ومشکور رہوں گا۔

جواب......واضح رہے کہ کسی بھی ایپ میں سرمایہ جمع کرکے منافع کمانا تب حلال ہوگا کہ جب منافع لینے والے کو معلوم ہو کہ اس ایپ میں شرعی اصولوں کے مطابق جائز کاروبار کیا جاتا ہے اور حاصل شدہ منافع کا ٹھیک حساب لگا کر حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور مقررہ منافع اصل رقم کے بدلے میں نہیں ہوتا۔ چوں کہ صورت مسئولہ میں نہ تو یہ معلوم ہے کہ اس رقم کے ذریعہ کیا جانے والا کاروبار حلال ہے یا حرام، نیز اس میں ملنے والا منافع بھی اصل رقم کے بدلے میں ہے، جو کہ شرعاً سود ہے اور ایپ میں مزید شامل کیے جانے والے افراد کو ملنے والا منافع بغیر محنت اور عمل کے ہے، جو کہ ناجائز ہے اور اصل سرمایہ ڈوب جانے کی وجہ سے اس ایپ سے کمانا ہی باطل ہوجاتا ہے اور پھر کسی بھی وقت ایپ کے بند ہونے کے خطرے کے باعث ان دونوں ایپ کی بنیاد دھوکہ اور فراڈ پر ہے، اس لیے اس طرح کی ایپ میں کام کرنا اور اس سے منافع حاصل کرنا شرعاً حرام ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع اگر اصل مالک کو واپس کرنا ممکن ہو، تو اسے واپس کرنا ضروری ہے ورنہ فقراء پر بلانیت ثواب صدقہ کردیا جائے۔

یوٹیوب پر قرآن مجید کی ویڈیو آڈیو یا نظم وغیرہ اپلوڈ کرکے کمائی کا حکم

سوال......یوٹیوب کی جو کمائی ہے اس کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے،

حرام ہے۔میرا سوال یہ ہے کہ اگر ایک بندہ قرآن پاک کی آڈیو ہو یا ویڈیو یوٹیوب پر اپلوڈ کرتا ہے یا نظم وغیرہ یا بیان وغیرہ پھر اس کے بعد اس پر جو معاوضہ اور اجرت ملتی ہے جو اس کی کمائی ہے یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کن وجوہات کی بنا پر اور اگر جائز ہے تو کن وجوہات کی بنا پر۔ تفصیل کے ساتھ آپ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب......واضح رہے کہ یوٹیوب کے استعمال کرنے میں بہت سارے معاصی اور گناہوں کا ارتکاب لازم آتا ہے، مثلاً جان دار کی تصاویر، اسی طرح ویڈیوز بنانے والے کے چینل پر مختلف قسم کی بے پردہ عورتیں، میوزک، موسیقی اور ناجائز اور حرام کاموں کی تشہیر کی جاتی ہے اور یوٹیوب کے استعمال سے مذکورہ بالا تمام گناہوں میں معاونت ہے، جو ناجائز ہے، لہٰذا یوٹیوب پر قرآن مجید یا نظم وغیرہ کی اپلوڈ کی ہوئی ویڈیوز پر کمائی کرنا جائز نہیں، قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے اور بھی بہت سارے ذرائع ہیں، لہٰذا انہی کو اختیار کریں، یوٹیوب کے استعمال سے بچا جائے۔

مضاربت کا حکم اور اس کی شرائط

سوال......ایک شخص ہے جو بیکولائٹ (بجلی کے بٹنوں) کا کام کرتا ہے، وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ مجھے پیسے دیں، میں آپ کو اس پر نفع دوں گا، میں نے علماء کرام سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ نفع فی صد کے اعتبار سے طے ہونا ضروری ہے، تو اس نے مجھ سے اس طرح طے کیا کہ اخراجات نکال کر کل منافع سے نوے فیصد آپ کا اور دس فیصد میرا ہو گا۔ معاملات طے ہو گئے، چند ماہ وہ مسلسل منافع دیتا رہا، میرے چند متعلقین کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی رقم کاروبار میں انویسٹ کر دی، ان کو بھی اسی طرح منافع ملتا رہا۔ جب انویسٹ بڑھی تو اس شخص نے کاروبار بڑھا دیا اور بیکولائٹ کے ساتھ ڈائیوں (بٹن بنانے کے سانچے) کا کام بھی شروع کر دیا، اس میں انویسٹ بھی زیادہ ہے اور فی صد کے اعتبار سے منافع بھی زیادہ ہے، پھر تقریباً ڈیڑھ سال پہلے اس نے مشینوں کا کام شروع کیا، اس میں بھی انویسٹ بھی زیادہ ہے اور 75 رفی صد منافع میں سے انویسٹر کو دیتا ہے اور 25 صد خود رکھتا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ کاروبار شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ بعض ساتھی کہہ رہے ہیں کہ یہ سودی کاروبار ہے، تو اس کی شرعی حیثیت متعین فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب......صورت مسئولہ میں یہ معاملہ شرعی اعتبار سے درست ہے، البتہ اس میں چند شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔ 1.. متعاقدین عاقل بالغ ہوں۔ 2.. اصل سرمایہ مروجہ کرنسی یعنی کیش کے قبیل سے ہو۔ 3.. اصل سرمایہ معلوم و متعین ہو۔ 4.. سرمایہ کار نے اصل سرمایہ کام کرنے والے کے حوالہ کیا ہو۔ 5.. کام کرنے والے اور سرمایہ کار منافع میں شریک ہوں۔ 6.. عقد کرتے وقت نفع میں سے سرمایہ کار اور کام کرنے والے کا حصہ فی صدی تناسب کے اعتبار سے طے ہو۔ 7.. کام کرنے والے کے لیے متعین کردہ حصہ نفع میں سے ہو، اصل سرمایہ سے نہ ہو۔ 8.. اور اگر اس معاملہ میں کوئی نقصان ہو جائے تو سب سے پہلے اس کی تلافی حاصل شدہ منافع سے کی جائے گی، پھر اگر نقصان اس سے بھی زائد ہو تو سرمایہ سے پورا کیا جائے گا اور کام کرنے والے کے ذمہ کوئی نقصان لازم نہیں ہو گا۔

افسانہ

ماں جی

(دوسری قسط)

قدرت اللہ شہاب

کہانی کی کہانی

سفرِ آخرت بھی انہوں نے اسی سادگی سے اختیار کیا۔ میلے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھو کر تکئے کے نیچے رکھے۔ نہا دھو کر بال سکھائے اور چند ہی منٹوں میں زندگی کے سب سے لمبے سفر پر روانہ ہو گئیں۔ جس خاموشی سے دنیا میں رہی تھیں، اسی خموشی سے عقبیٰ کو سدھار گئیں۔ غالباً اس موقع کے لئے وہ اکثر یہ دعا مانگا کرتی تھیں، کہ اللہ تعالیٰ ہاتھ چلتے چلاتے اٹھا لے۔ اللہ کبھی کسی کا محتاج نہ کرے۔ کھانے پینے میں وہ کپڑے لتے سے بھی زیادہ سادہ اور غریب مزاج تھیں۔ ان کی مرغوب ترین غذا مکئی کی روٹی، دھنیے پودینے کی چٹنی کے ساتھ تھی۔ باقی چیزیں خوشی سے تو کھا لیتی تھیں لیکن شوق سے نہیں۔ تقریباً ہر نوالے پر اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ پھلوں میں کبھی بہت ہی مجبور کیا جائے تو کبھی کبھار کیلے کی فرمائش کرتی تھیں۔

البتہ ناشتے میں چائے دو پیالے اور تیسرے پہر سادہ چائے کا ایک پیالہ ضرور پیتی تھیں۔ کھانا صرف ایک وقت کھاتی تھیں۔ اکثر و بیشتر دوپہر کا۔ شاذونادر رات کا۔ گرمیوں میں عموماً مکھن نکالی ہوئی پتلی نمکین لسی کے ساتھ ایک آدھ سادہ چپاتی ان کی محبوب خوراک تھی۔ دوسروں کو کوئی چیز رغبت سے کھاتے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور ہمیشہ دعا کرتی تھیں۔ سب کا بھلا۔ خاص اپنے یا اپنے بچوں کے لئے انہوں نے براہ راست کبھی کچھ نہ مانگا۔ پہلے دوسروں کے لئے مانگتی تھیں اور اس کے بعد مخلوقِ خدا کی حاجت روائی کے طفیل اپنے بچوں یا عزیزوں کا بھلا چاہتی تھیں۔

اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کو انہوں نے اپنی زبان سے کبھی ''میرے بیٹے'' یا ''میری بیٹی'' کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کو اللہ کا مال کہا کرتی تھیں۔ کسی سے کوئی کام لینا ماں جی پر بہت گراں گزرتا تھا۔ اپنے سب کام وہ اپنے ہاتھوں خود انجام دیتی تھیں۔ اگر کوئی ملازم زبردستی ان کا کوئی کام کر دیتا تو انہیں ایک عجیب قسم کی شرمندگی کا احساس ہونے لگتا تھا اور وہ احسان مندی سے سارا دن اسے دعائیں دیتی رہتی تھیں۔ سادگی اور درویشی کا یہ رکھ رکھاؤ کچھ تو قدرت نے ماں جی کی سرشت میں پیدا کیا تھا کچھ...... چک نمبر 507 نانا جی کو خوب راس آیا۔ چند ماہ کی محنت مزدوری کے بعد نئی آبادکاری کے سلسلے میں آسان قسطوں پر ان کو ایک مربع زمین مل گئی۔ رفتہ رفتہ دن پھرنے لگے اور تین سال میں ان کا شمار گاؤں کے کھاتے پیتے لوگوں میں ہونے لگا۔ جوں جوں فارغ البالی بڑھتی گئی توں توں آبائی وطن کی یاد ستانے لگی۔

چنانچہ خوشحالی کے چار پانچ سال گزارنے کے بعد سارا خاندان ریل میں بیٹھ کر منیلہ کی طرف روانہ ہوا۔ ریل کا

سفر ماں جی کو بہت پسند آیا۔ وہ سارا وقت کھڑکی سے باہر منہ نکال کر تماشہ دیکھتی رہیں۔ اس عمل میں کوئلے کے بہت سے ذرے ان کی آنکھوں میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے کئی روز تک وہ آشوبِ چشم میں مبتلا رہیں۔ اس تجربے کے بعد انہوں نے ساری عمر اپنے کسی بچے کو ریل کی کھڑکی سے باہر منہ نکالنے کی اجازت نہ دی۔ ماں جی ریل کے تھرڈ کلاس ڈبے میں بہت خوش رہتی تھیں۔ ہم سفر عورتوں اور بچوں سے فوراً گھل مل جاتیں۔ سفر کی تھکان اور راستے کے گرد وغبار کا ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ اس کے برعکس اونچے درجوں میں بہت بیزار ہو جاتیں۔ ایک دو بار جب انہیں مجبوراً ائیر کنڈیشن ڈبے میں سفر کرنا پڑا تو وہ تھک کر چور ہو گئیں اور سارا وقت قید کی صعوبت کی طرح ان پر گراں گزرا۔

منیلہ پہنچ کر نانا جی نے اپنا آبائی مکان درست کیا۔ عزیز و اقارب کو تحاف دئے۔ دعوتیں ہوئیں اور پھر ماں جی کے لئے بر ڈھونڈنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس زمانے میں لائل پور کے مربعہ داروں کی بڑی دھوم تھی۔ ان کا شمار خوش قسمت اور باعزت لوگوں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ چاروں طرف سے ماں جی کے لئے پے در پے پیام آنے لگے۔ یوں بھی ان دنوں ماں جی کے بڑے ٹھاٹھ باٹھ تھے۔ برادری والوں پر رعب گانٹھنے کے لئے نانی جی انہیں ہر روز نت نئے کپڑے پہناتی تھیں اور ہر وقت دلہنوں کی طرح سجا کر رکھتی تھیں۔ کبھی کبھار پرانی یادوں کو تازہ کرنے کے لئے ماں جی بڑے معصوم فخر سے کہا کرتی تھیں۔ ان دنوں میرا تو گاؤں میں نکلنا دوبھر ہو گیا تھا۔ میں جس طرف سے گزر جاتی لوگ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے اور کہا کرتے۔ یہ خیال بخش مربعہ دار کی بیٹی جا رہی ہے۔ دیکھئے کون خوش نصیب اسے بیاہ کر لے جائے گا۔ ''ماں جی! آپ کی اپنی نظر میں کوئی ایسا خوش نصیب نہیں تھا!'' ہم لوگ چھیڑنے کی خاطر ان سے پوچھا کرتے۔

''توبہ توبہ پت'' ماں جی کانوں پر ہاتھ لگاتیں ''میری نظر میں بھلا کوئی کیسے ہو سکتا تھا۔ ہاں میرے دل میں اتنی سی خواہش ضرور تھی کہ اگر مجھے ایسا آدمی ملے جو دو حرف پڑھا لکھا ہو تو خدا کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' ساری عمر میں غالباً یہی ایک خواہش تھی جو ماں جی کے دل میں خود اپنی ذات کے لئے پیدا ہوئی۔ اس کو خدا نے یوں پورا کر دیا کہ اسی سال ماں جی کی شادی عبداللہ صاحب سے ہو گئی۔ ان دنوں سارے علاقے میں عبداللہ صاحب کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ ایک امیر کبیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن پانچ چھ برس کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے اور بے حد مفلوک الحال بھی۔

جب باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو یہ انکشاف ہوا کہ ساری آبائی جائیداد رہن پڑی ہے۔ چنانچہ عبداللہ صاحب اپنی والدہ کے ساتھ ایک جھونپڑے میں اٹھ آئے۔ زر اور زمین کا یہ انجام دیکھ کر انہوں نے ایسی جائیداد بنانے کا عزم کر لیا جو مہاجنوں کے ہاتھ گروی نہ رکھی جا سکے۔ چنانچہ عبداللہ صاحب دل و جان سے تعلیم حاصل کرنے میں منہمک ہو گئے۔ وظیفے پر وظیفہ حاصل کر کے اور دو سال کے امتحان ایک ایک سال میں پاس کر کے پنجاب یونیورسٹی کے میٹریکولیشن میں اول آئے۔ اس زمانے میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مسلمان طالب علم نے یونیورسٹی امتحان میں ریکارڈ قائم کیا ہو۔ (جاری)

طب و صحت

مولی کے فوائد

ادارہ

مولی کو زیادہ تر کچا کھایا جاتا ہے مگر پکا کر کھانے سے یہ اور بھی لذیذ بن جاتی ہے۔اس کی دو قسمیں مشہور ہیں، سفید مڈھ والی اور سبز مڈھ والی یہ لمبی اور شلجم کی مانند گول ہوتی ہے۔چین کی مولی کو ہارسی ریڈش کہا جاتا ہے میدانوں میں یہ ستمبر سے نومبر تک اور اور پہاڑی علاقوں میں اکتوبر تا جنوری تک ہوتی ہے۔

مولی کے طبی خواص اور علاج: گردے اور مثانہ میں پتھری یا ریت آنے میں اس کا استعمال اکسیر اعظم ہے اس کا متواتر استعمال ان امراض کا شافی علاج ہے۔خود دیر سے ہضم ہوتی ہے مگر دوسری غذاؤں کو فوری ہضم کر دیتی ہے اور بواسیر کے مریضوں کیلئے مولی اور اس کے پتوں کا رس بے حد مفید ہے، جو جلن اور خارش بھی ختم کر دیتا ہے۔خرابی جگر میں بے حد مفید ہے۔

یرقان کے مریضوں کیلئے تو یہ بے حد فائدہ مند سبزی ہے اس کے ساتھ گُڑ کھانے سے یہ جلد ہضم ہو جاتی ہے۔جگر اور تلی کے امراض کیلئے بے حد مفید ہے۔ پیشاب کا جل کر آنا یا رک رک کر آنا، مولی کھانے سے ٹھیک ہو جاتا ہے، یرقان والے مولی کا رس کھانڈ میں ملا کر پئیں افاقہ ہوگا۔

مولی خالی معدہ کھانے سے نقصان ہوتا ہے۔مولی کا نمک دانتوں پر لگانے سے پائیوریا اور دانتوں کے امراض دور ہو جاتے ہیں۔مولی کا رس تلوں کے تیل میں ڈال کر پکائیں جب صرف تیل رہ جائے تو اسے بوتل میں ڈال لیں، یہ کانوں کے امراض کا شاہی علاج ہے۔

دس تولہ مولی کا پانی نمک ملا کر پینے سے بڑھی ہوئی تلی درست ہو جاتی ہے۔مولی کا رس بچھو پر ڈالیں تو وہ مر جائے گا اور جہاں بچھو نے ڈنگ مارا ہو وہاں روئی سے مولی کا پانی لگائیں زہر کا اثر زائل ہو جائے گا۔ہاتھوں پر مل لیں تو بچھو ڈنگ نہ مار سکے گا۔گنج پر روزانہ مولی کا رس رگڑنے سے وہاں بال اُگ آتے ہیں۔

مولی کے بیجوں کا رس بکری کے دودھ میں ملا کر لگانے سے خنازیر کی گلٹیاں دور ہو جاتی ہیں۔متواتر کھانے سے مثانہ کی پتھری ختم ہو جاتی ہے۔مولی کا اچار بھی ایک اچھی چیز ہے، مولی کے ٹکڑے کاٹ لیں اور مرتبان میں ڈال کر رکھ لیں عمدہ اور لذیذ اچار بنے گا۔ یہ اچار کھانے سے تلی، بواسیر، رکا ہوا پیشاب کی تکالیف دور ہو جاتی ہیں۔مولی کا رس نکال کر اسے آگ پر گرم کریں اور گاڑھا ہو جائے تو دھوپ میں رکھ کر اسے سکھا لیں۔ یہ جوہر مولی تیار ہو جائے گا۔اسے کھانے سے سخت سے سخت درد گردہ کو آرام آجاتا ہے اور رکا ہوا پیشاب جاری ہو جاتا ہے۔

جامعۃ السعادہ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ،شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ،ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ،عربی،اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کرپاتے ہیں۔جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے،جس میں تعلیمی،تربیتی اور دعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔طلبہ کی ایک کثیر تعداد دار الاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ باضابطہ طور پر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے،اور دار العلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ انگلش میڈیم اسکول کے تحت درجہ پانچ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ،خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی باضابطہ طور پر ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تادورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے،ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی،امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

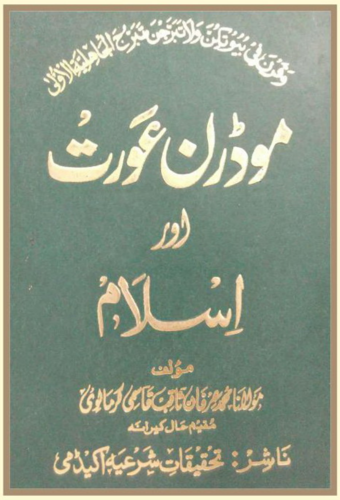

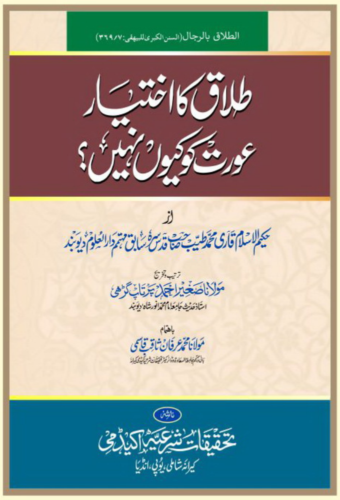

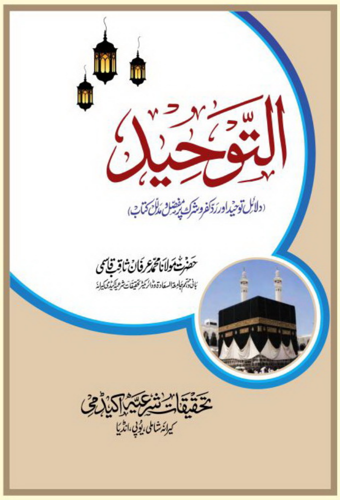

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768